پاکستانی عورت دوراہے پر

تالیف

احسن اصلاحی

نجمن خدام القرآن لاہور

پاکستانی عورت

دوراہے پر

تالیف

مولانا امین احسن اصلاحی

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
(فون: ۳۵۲۶۱۱)

قیمت فی نسخہ ———— 15 روپے

طبع اوّل ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۱۹۵۰ء

طبع دوم ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۱۹۷۸ء

طابع ۔۔۔ رشید احمد چوہدری

مطبع ۔۔۔ مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح، لاہور

ناشر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
(فون: ۳۵۲۶۱۱)

تقدیم طبع ثانی

از ناشر

مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کی پیشِ نظر تالیفِ لطیف پہلی بار ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس وقت پاکستانی عورت واقعۃً دوراہے پر کھڑی تھی۔ اُس کے سامنے ایک راستہ تو دین و شریعت اور حیاء و عفت کا تھا اور دوسرا اُس تہذیبِ جدید کا جس کے بارے میں کچھ ہی عرصہ قبل مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے قوم کو یہ مشورہ دیا تھا کہ : ؎

تہذیبِ نَو کے منہ پہ وہ تھپّڑ رسید کر

جو اس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے!

گذشتہ رُبع صدی کے دوران اگرچہ ہماری قوم کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے ایک بہت بڑے حصّے کی خواتین بدقسمتی سے دوسرے ہی راستے کو اختیار کر چکی ہیں اور کم از کم پردے اور معاشرتی حدود و قیود کی حد تک تو وہ زبانِ حال سے گویا یہ کہہ چکی ہیں کہ : ع "مرے اسلام کو اک قصّۂ ماضی سمجھو!" تاہم ہمارے ملک میں ابھی یہ کش مکش جاری ہے اور بحمد اللہ پُوری قوم نے اس راستے کو اختیار نہیں کیا ہے ـــــ پچھلے دنوں سابق وزیرِ اعظم بھٹو صاحب نے اس ضمن میں کچھ مصطفےٰ کمال کا سا انداز اختیار کر کے کی سعی شروع کی تھی لیکن بحمد اللہ پاکستانی سیاست کے میدان میں اب وہ خود ہی قصّۂ ماضی بنتے نظر آ رہے ہیں۔

بہر حال ابھی شدّت کے ساتھ ضرورت ہے کہ پاکستانی خواتین کے سامنے اس 'دوراہے' کو واضح کیا جائے۔ تاکہ وہ دلفریب نعروں اور دل خوش کن اصطلاحوں کے دھوکے میں آ کر معاشرے کی بربادی اور آخرت کی تباہی کا خطرہ مول نہ لیں۔

ناظم

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ترتیب

دیباچہ طبع اوّل

از مؤلف

پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی اِس ملک میں عورتوں کو بگاڑنے کی جو تحریک ہمارے اربابِ اقتدار کی طرف سے پُورے زور و شور کے ساتھ اُٹھائی گئی اُس کا احساس مجھے روزِ اوّل ہی سے تھا اور میں چاہتا تھا کہ اِس کے خطرات سے اِس ملک کے دینی حِس رکھنے والے مردوں اور عورتوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کروں لیکن مختلف اسباب سے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، میرا یہ ارادہ پُورا نہ ہو سکا اور واقعہ یہ ہے کہ میں جن حالات میں گھرا ہوا تھا اُن کی موجودگی میں اس کا بہت کم امکان تھا کہ یہ ارادہ کبھی پُورا ہو سکتا۔ لیکن حکومت کی عنایت سے مجھے اکتوبر ۱۹۴۸ء میں پنجاب سیفٹی ایکٹ کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا اور اس طرح مجھے ان بہت سے کاموں کی تکمیل کے لیے فرصت مہیّا کر دی گئی، جن کے لیے عام حالات میں شاید ہی میں کبھی فرصت نکال سکتا۔

جیل کی تنہائی میں جس طرح ٹھوس مطالعہ اور خالص علمی و تحقیقی کاموں کے لیے کافی وقت ملتا تھا، اِسی طرح اخبارات پڑھنے کے لیے بھی کافی وقت مل جایا کرتا تھا، اور ہم اس فرصت سے فائدہ اُٹھا کر وہ چند اخبارات نہایت تفصیل کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جو حکومت کی طرف سے ہمارے لیے مہیّا کیے جاتے تھے۔ اِن اخبارات کے تفصیلی مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس تحریک کی وسعتوں اور اِس کی گہرائیوں کا پُورا پُورا اندازہ مجھے اب تک نہیں ہو سکا تھا، اِس کے خطرات اس سے کہیں زیادہ ہیں جتنے بادی النظر میں نظر آتے ہیں۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ اِس ملک کی عورتیں اِس وقت ایک دوراہے پر کھڑی ہیں اور ہمارے اربابِ کار پُورا زور لگا رہے ہیں کہ اِن کو اسلام کی سمت سے ہٹا کر جاہلیّت کے رُخ پر ڈال دیں۔ اِس احساس نے مجھے بے چین کر دیا۔ اِس کے بعد سے

یہ خیال مجھے صبح و شام پریشان رکھنے لگا کہ اس موقع پر لوگوں تک امرِ حق پہنچانا ضروری ہے، خواہ کوئی اس کو سُنے یا نہ سُنے۔ اگرچہ میں جانتا تھا کہ جیل کی مضبوط دیواریں میری آواز کو باہر نہیں پہنچنے دیں گی لیکن میں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس چیز سے بالکل بے نیاز ہو کر کہ یہ جذبات و خیالات لوگوں تک پہنچ بھی سکیں گے یا نہیں اور اگر پہنچ سکیں گے تو کب تک پہنچ سکیں گے، میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کر دی اور چونکہ دل کے سچے جوش کے ساتھ لکھنی شروع کی اس لیے بہت جلدی تمام کر لی۔

دل کے جذبات کاغذ کے صفحات پر آ جانے کے بعد دل کا بوجھ تو بہت بڑی حد تک ہلکا ہو گیا۔ لیکن جیل کی پابندیوں کی وجہ سے چونکہ کتاب کی اشاعت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اس وجہ سے ادائے فرض میں ایک غم انگیز کمی محسوس ہوتی تھی اور دل چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ چیز لکھوا دی ہے اسی طرح لوگوں تک اس کے پہنچانے کا سامان بھی کر دے۔ اسی دوران میں بالکل غیر متوقع طور پر ہماری رہائی کی صورت پیدا ہو گئی جس کے متعلق میرے دل کی گواہی یہ تھی کہ اسی کتاب کی اشاعت کے لیے یہ غیب سے راہ کھولی گئی ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اس رہائی پر خوشی بھی اسی پہلو سے ہوئی تھی، تو شاید یہ کہنا غلط نہ ہو۔

جیل سے باہر نکلنے کے بعد پہلا کام جو پیشِ نظر تھا وہ اس کتاب کی اشاعت کا سامان کرنا تھا اور اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ ہمارے مکتبہ کے کارکنوں نے اس کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگایا بھی لیکن بازار میں کاغذ نہ صرف کمیاب بلکہ نایاب تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جیل میں لکھے جانے کی وجہ سے اس کی اشاعت میں جو دیر ہوئی تھی اس پر کاغذ کی نایابی نے مزید تاخیر کا اضافہ کر دیا۔ کتاب کی اشاعت میں یہ غیر معمولی تاخیر واقع ہو جانے کے سبب سے مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے ناظرین اس کتاب کی پہلی فصل میں جو ہمارے لیڈروں کے افکار و نظریات اور اُن کی پیشِ نظر اسکیموں اور تجویزوں پر مشتمل ہے، کچھ باسی پن سا محسوس کریں۔ اس کے ازالہ کے لیے میرا ارادہ تھا کہ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ لگا کر اس فصل کو بالکل مطابقِ حال (UP TO DATE) کر دیا جائے چنانچہ

اس مقصد کے لیے مَیں نے اخبارات سے معلومات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم کر بھی لیا تھا لیکن غور کرنے کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ اگرچہ اِس کتاب کی اشاعت میں دیر ضرور ہو گئی ہے، لیکن ابھی یہ ضمیمہ کی محتاج نہیں ہوئی ہے۔ اگر آئندہ ایڈیشن میں اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ اضافہ کر دیا جائے گا۔

اللہ گواہ ہے کہ یہ کتاب مَیں نے جذبۂ خیر خواہی اور حقِ نصیحت سے مجبور ہو کر اپنی قوم کے لیڈروں .... اور اپنی دینی بہنوں کو متنبّہ کرنے کے لیے لکھی ہے مجھے اُمّید ہے کہ پڑھنے والے بھی اِسی جذبہ کے ساتھ اِس کو پڑھیں گے اور اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

امین احسن

اگست ۱۹۵۰ء

تمہید

عورتوں کے اجتماعی حقوق و فرائض کا مسئلہ اسلام میں اس قدر واضح اور صاف ہے کہ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کسی خاص تحقیق و کاوش کی ضرورت نہیں ہے ہمارے معاشرتی و اجتماعی مسائل میں سے جو مسائل قرآن و حدیث میں سب سے زیادہ تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ان میں سے شاید ایک واضح ترین مسئلہ یہی ہے۔ عورت کا درجہ خاندان میں، عورت کا مرتبہ اجتماعی زندگی میں، عورت کا موقف ریاست میں، یہ ساری باتیں تمام اصولی ہدایات کے ساتھ خود قرآن مجید میں بیان ہو گئی ہیں اور پھر ان کی ضروری عملی و قولی تشریحات صحیح احادیث میں آگئی ہیں۔ نہایت آسانی کے ساتھ صرف تھوڑی سی محنت کر کے، اُن کو جمع اور ناظرین کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پاکستان میں ہمارے اربابِ کار کے دو رُخے پن نے جس طرح ہر مسئلہ کو اُلجھا رکھا ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی انہوں نے ایسی اُلجھنیں پیدا کر دی ہیں کہ اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہمیں بہت سی ناہمواریوں کو ہموار کرنا پڑے گا۔

ایک معقول آدمی کے لیے معقول رویّہ تو یہ ہے کہ کفر اور اسلام میں سے جس پر اُس کا دل ٹھک جائے اس کو مسلکِ زندگی کی حیثیت سے اختیار کرے اور مشکلات و موانع سے بے پروا ہو کر اس پر چل پڑے۔ حق و باطل سے قطع نظر کر کے یہ یکسوئی بجائے خود ایک بڑی اہم طاقت ہے اور جس راہ میں بھی کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل ہوتی ہے وہ اس یکسوئی کی بدولت ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں ہمیشہ کامیابی حاصل کرنے والوں نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے اور اپنے اپنے مطمحِ نظر کے لحاظ سے اسی کے بل پر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کے اربابِ کار نے یکسوئی کی یہ اولوالعزمانہ روش اختیار کرنے کے بجائے دو رُخے پن کی بزدلانہ روش اختیار کی ہے جس کو اسلامی اصطلاح میں ہم نفاق سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ نفاق انسان کی

ایک مہلک بیماری کی حیثیت سے تو ضرور متعارف ہے اور ہر دور اور ہر سوسائٹی میں ایسے افراد واشخاص پیدا ہوتے رہے ہیں جو اس بیماری میں مبتلا ہوئے ہیں لیکن ہمیں تاریخ میں کسی ایسی قوم کا سراغ نہیں ملتا ہے جس کے لیڈروں نے متفق ہو کر نفاق کو قومی پالیسی کی حیثیت سے اختیار کیا ہو اور اس کو اپنی مشکلات کے حل کی کلید جانا ہو۔ پوری تاریخِ انسانی میں اس قسم کی کوئی قوم اگر ملتی ہے تو صرف ایک قوم ملتی ہے اور وہ بدقسمتی سے ہماری قوم ہے۔

ہمارے لیڈر حضرات متفق اللفظ ہو کر زبان سے تو اسلام اسلام پکارتے ہیں، اسلام اور اسلامی نظام ہی کو پاکستان کے قیام کا واحد مقصد قرار دیتے ہیں، اسلامی اصولوں ہی کے اندر دنیا کے تمام موجودہ مصائب کا علاج بتاتے ہیں، حد یہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی میں قرارداد بھی پاس کر دیتے ہیں کہ اس ملک کا دستور کتاب و سُنّت کی بنیادوں پر بنے گا لیکن دوسری طرف عمل کی دنیا میں یہ حال ہے کہ اسلام کے مٹے ہوئے آثار و نقوش کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرنا تو الگ رہا، اسلامی تہذیب و روایات کے جو آثار انگریزی قدرِ حکومت کی دستبرد سے تھوڑے بہت بچ رہے تھے ان کو بھی مٹانے اور ان کی جگہ مغربیت کو غالب کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس دعویٰ کے ساتھ ہو رہی ہے کہ یہ اسلام قائم ہو رہا ہے۔ اس بات کی شہادت یوں تو ان حضرات کے ہر قول و فعل سے مل رہی ہے لیکن عورتوں کی اصلاح و ترقی کے معاملہ میں انہوں نے جو روش اختیار کی ہے اس کو دیکھنے کے بعد تو کوئی اندھا ہی ہوگا جو اُن کے اصلی عزائم کی طرف سے کسی شبہ میں رہے گا۔

اِن حضرات کی یہ رَوِش بھی کچھ کم دردانگیز نہیں تھی کہ انہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے بجائے غیر اسلام کو مسلمانوں پر مُسلّط کرنے کی ٹھانی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ دردانگیز ہمارے نزدیک ان کی یہ شتر گربگی ہے کہ وہ بیک وقت کفر اور اسلام دونوں کی کشتیوں پر سوار رہنا چاہتے ہیں۔ عملاً تو یہ ساری جدّ و جہد مغربی جاہلیّت کو مُسلّط کرنے کے لیے کر رہے ہیں لیکن بطورِ ڈپلومیسی کے اسلام کو بھی ساتھ لگائے رکھنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان ان کی نام نہاد اصطلاحات کی طرف سے بدگمان نہ ہوں اور جو زہر یہ پلا رہے ہیں اس کو شہد و شربت سمجھ کر بغیر کسی مزاحمت کے پی جائیں۔ اس منافقت کو ان حضرات

نے کمالِ سیاست دانی سمجھ رکھا ہے اور خیال کر رہے ہیں کہ اپنی قوم کو "فرنگیانے" کی جو لاجواب سکیم انہوں نے ڈھونڈ نکالی ہے وہ کمال اتا ترک اور امان اللہ خاں کو بھی نہ سوجھ سکی حالانکہ قومی زندگی میں نفاق کی پالیسی ہمیشہ مہلک اور تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ اگر آپ اس طرح قوم کو کفر کی طرف دھکیلتے اور اسلام کی طرف بلاتے رہے تو اس کا نتیجہ صرف یہ نکلے گا کہ یہ قوم ہمیشہ کعبہ و کلیسا کے درمیان ڈانوا ڈول رہے گی۔ آپ کے دھکیلنے کی وجہ سے دو قدم اگر آگے بڑھائے گی تو آپ کے بلانے کی وجہ سے دو قدم پیچھے بھی ہٹائے گی اور اسی لیفٹ رائٹ کے دوران میں خدانخواستہ اگر کوئی قومی آزمائش پیش آ گئی تو ایسی ڈانوا ڈول قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔

جس چیز کو یہ حضرات انتشار (DISRUPTION) کہتے ہیں اور جس کے سونگھ لینے کے لیے ان کی قوتِ شامہ اتنی تیز ہے کہ ان گوشوں میں بھی اس کی بُو پا لیتی ہے جن گوشوں میں دُور دُور تک اس کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا وہ انتشار، اس انتشار کے مقابل میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا جو انتشار ان کی یہ دو رُخی اور شُتر گُربہ پالیسی پوری قوم کے فکر و عمل میں پھیلا رہی ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ایک طرف تو آپ اپنی مذہبی ساکھ قائم رکھنے کے لیے قوم کو اسلام اور قرآن یاد دلاتے رہتے ہیں، قوم کے اندر اپنے دین اور اپنی مذہبی روایات سے جو محبت ہے، اپنی اغراض کی خاطر اس کو جگاتے رہتے ہیں، قوم میں اپنے بزرگ اسلاف کے نقشِ قدم کی پیروی کا جو شوق دبا ہوا ہے، اپنی محبتِ اسلام کی دھونس جمانے کے لیے وقتاً فوقتاً اس رگِ حمیت کو بھی چھیڑتے رہتے ہیں اور حصولِ اقتدار کی مسابقت میں آپ میں سے ہر ایک اس اسلام بازی میں ایک دوسرے سے چار قدم آگے ہی رہنا چاہتا ہے اور دوسری طرف آپ کی یہ بھی کوشش ہے کہ قوم کی تمام بیٹیاں اور بہنیں اپنی دیرینہ تہذیب اپنی پرانی روایات اور اپنی مانوس و معروف معاشرت کو خیرباد کہہ کے مغربی متبرجات کے رنگ میں رنگ جائیں اور بیگم آذری اور ریٹا ہیورتھ کو اپنے لیے نمونہ اور مثال بنائیں۔ کیا کوئی دعوت اس دو طرفہ دعوت سے بھی زیادہ اس قوم میں انتشار پیدا کر سکتی ہے؟ یہ قوم جاہل ضرور ہے لیکن کیا اتنی جاہل ہے کہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور آپ کے ان پیش کردہ نمونوں میں

کیا فرق ہے؟ یہ قوم اپنی روایات سے نا آشنا ضرور ہوگئی ہے لیکن کیا فی الواقع اتنی نا آشنا ہوگئی ہے کہ مدینۃ الرّسول اور ہالی وُڈ کی تہذیب میں امتیاز نہ کر سکے؟ اس میں شبہ نہیں ہے کہ ہماری قوم کا مزاج بگڑ چکا ہے لیکن کیا سچ مچ اتنا بگڑ چکا ہے کہ اب وہ اسلامی تہذیب اور صریح تبرّجِ جاہلیّت میں بھی فرق نہیں کر سکتی؟ پھر اس مذاق سے کیا فائدہ کہ آپ قوم کو لے تو جانا چاہتے ہیں کفر کی طرف لیکن بات بات پر اس کو اسلام بھی یاد دلاتے جا رہے ہیں؟ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ یہ قوم پُورے شرحِ صدر کے ساتھ نہ تو کفر کی طرف جائے گی اور نہ اسلام کی طرف بلکہ اپنی جگہ ہی پر ٹھٹھر کر رہ جائے گی اور پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر کسی بیرونی آفت کا شکار ہو جائے گی۔

ہمارے نزدیک صحت مند قومی زندگی کے لیے ناگزیر ہے کہ قوم کے اربابِ کار قوم کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے ہوں پُوری یکسوئی اور پُورے عزم کے ساتھ اسی راستہ کی طرف بلائیں اور اسی پر اس کو چلائیں۔ ایک راستہ پر قوم کو چلانا اور دوسرے راستہ کے مناظر کی دلکشیوں کی داستان سرائی کرنا نہایت ہی احمقانہ طریقہ ہے جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہ جذبہ ہے جس نے ہمیں مجبور کیا کہ عورتوں کی اصلاح اور آزادی کی جو اسکیم یہ حضرات اسلام کے نام سے چلا رہے ہیں اس کا ذرا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں۔ ان کے اصل عزائم کو خود ان کی تحریروں، تقریروں اور عملی پروگراموں سے معلوم کریں، پھر یہ جس اسلام کا بات بات میں اپنی "اصلاحات" کی تائید میں حوالہ دیتے ہیں اس کی روشنی میں تنقید کر کے دیکھیں کہ اصلاح کا جو منہج انہوں نے اختیار کیا ہے وہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی، نیز ا... پیشِ نظر مقاصد کی حمایت میں جو عقلی دلائل یہ حضرات دیتے ہیں اُن کے اندر کوئی وزن ہے یا وہ یونہی عوام فریب مغالطے ہی ہیں؟ اس کے بعد ہم عورتوں کے اجتماعی حقوق و فرائض کا وہ نقشہ پیش کریں گے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوا ہے تاکہ جو لوگ اپنے دعوائے اسلام میں سچے ہیں اور محض پالیسی کے طور پر اسلام بازی نہیں کر رہے ہیں وہ اس کو اپنی اصلاحی جدّوجہد میں پیشِ نظر رکھ سکیں اور جو حضرات کلمۂ حق کو باطل کی اقامت کے لیے استعمال کر رہے ہیں اُن کے طلسمِ فریب کی اصل حقیقت لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔

ہوا کا رُخ

عورتوں کی آزادی اور حقوق سے متعلق ہمارے لیڈروں کے نظریات

ہوا کے رُخ کا اندازہ کرنے کے لیے ہم پہلے پاکستان کے بعض چوٹی کے لیڈروں اور بعض لیڈر خواتین کی تقریروں اور بیانات کے اقتباسات درج کرتے ہیں تاکہ خود ان کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات اس ملک کی خواتین کو کس راستہ پر لے جانا چاہتے ہیں اور ان کی اجتماعی و سیاسی ترقی سے متعلق ان کے ذہنوں میں وہ کیا منصوبے ہیں جو انہوں نے اپنے زعم کے مطابق عین اسلام سے اخذ کئے ہیں

۲۴- جنوری ۱۹۴۹ء کو یونیورسٹی ہال لاہور میں مغربی پنجاب زنانہ مسلم لیگ اور پاکستان زنانہ رضاکار سروس کے زیرِ اہتمام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے جناب لیاقت علی خاں صاحب وزیرِ اعظم پاکستان نے فرمایا :-

"عورتوں پر ــــــ بالخصوص پڑھی لکھی اور پردے کی قید سے آزاد عورتوں پر ــــ ایک بھاری ذمہ داری ہے- انہیں پاکستان کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی خاطر ہر قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے اور اپنی تعلیم اور آزادی سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسی مثال قائم کرنی چاہیئے کہ دنیا دیکھ لے کہ ایک چار دیواری میں مقید رہنے والی عورت اور اس عورت میں کیا فرق ہوتا ہے جو اپنی تعلیم کی مدد سے اپنے ملک اور اپنی قوم کو مضبوط بنانے کی جدوجہد کرتی ہے .... جب مَیں اپنے ہاں کی عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ پاکستان کے استحکام کے لیے کوشاں دیکھتا ہوں تو مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے- یہ بات بڑی ہی مسرت بخش ہے کہ ہماری بہنوں کی ایک کثیر تعداد زنانہ نیشنل گارڈز میں بھرتی ہو چکی ہے ..... جو لوگ عورتوں کو فوجی تربیت

دیئے جانے کی مخالفت کرتے ہیں اور پرانی بوسیدہ صورتِ حال ہی کو جاری رکھنا چاہتے ہیں، انہیں ذرا سرحد کے پار ان ہزارہا چھنی ہوئی عورتوں کے حال پر نظر کرنی چاہیئے جو پاکستان کی راہ تک رہی ہیں۔ اگر وہ بدقسمت عورتیں اسلحہ کے استعمال سے واقف ہوتیں تو وہ چھینے جانے کی بجائے اپنے ناموس کی حفاظت میں کٹ مری ہوتیں[۱]۔"

عورتوں کی آزادی کے بارے میں جناب لیاقت علی خاں صاحب نے فرمایا:۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں عورتوں کے لیے مکمل آزادی کے معاملہ میں آپ سے متفق ہوں۔ مرد عورتوں کو آزادی دیئے جانے کے خلاف نہیں ہیں۔ جو بعض مرد اس کے بظاہر مخالف معلوم ہوتے ہیں انہیں دراصل کچھ منفرد غلط مثالوں[۲] نے مذبذب بنا دیا ہے آپ لوگوں کو آزادی صحیح طور پر استعمال کرنی چاہیئے۔"

خواتین کے سپاس نامہ کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعظم صاحب نے فرمایا:۔

"اپنے سپاس نامہ میں آپ لوگوں نے کہا ہے کہ عورتوں کو مرکز اور صوبوں میں معقول

۱ے کس قدر سچ فرمایا وزیر اعظم صاحب نے پچھلی جنگِ عظیم میں روس، فرانس، اٹلی، جرمنی، پولینڈ، جاپان وغیرہ ملکوں میں اتنی اتنی لڑائیاں ہوئیں مگر کسی عورت کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگا سکا۔ اس لیے کہ یہ پردے کی لعنت وہاں نہ تھی اور عورتیں اسلحہ کے استعمال سے واقف تھیں۔ خود ہمارے اسی برِ عظیم میں دیکھ لیجیئے عورتیں صرف مسلمانوں ہی کی چھینی گئیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کی عورتوں کے چھینے جانے کا ایک واقعہ بھی پیش نہ آیا۔ اس لئے کہ پردے کی لعنت تو ہم پر مسلّط تھی۔

۲ے منفرد غلط مثالوں سے وزیر اعظم صاحب کا اشارہ غالباً آزادی کے سوءِ استعمال کے ان شاذو نادر واقعات کی طرف ہے جو بے پردہ سوسائٹی میں کہیں ہزاروں لاکھوں میں کبھی سوءِ اتفاق سے پیش آجایا کرتے ہیں۔ مثلاً انگلستان کی سرکاری رپورٹ متعلق نکاح و ولادت بابت ۱۹۴۷ء میں درج ہے کہ اس سال ہر اٹھتیس[۳۸] بچوں میں صرف ایک بچہ حرامی پیدا ہوا (یہ صرف ان ناجائز ولادتوں کی تعداد ہے جو غیر شادی شدہ عورتوں کے بطن سے ہوئی ہیں اور جن کا حکومت کو علم ہو سکا ہے) وزیر اعظم صاحب کا منشا یہ ہے کہ اس طرح کے منفرد واقعات نے بعض مردوں کو بظاہر شبہ میں ڈال دیا ہے ورنہ عورتوں کی مکمل آزادی سے کس بدبخت کو اختلاف ہو سکتا ہے اور اس کی برکات میں کون کافر شک لا سکتا ہے!

نمائندگی دی جائے۔ ہر چند میں آپ کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس صوبہ کے وزارتی جھمیلوں کی موجودگی میں آپ کو (سرِدست) اس سے الگ ہی رہنا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہوگا عورتوں کو حکومت کے ہر محکمہ میں پوری نمائندگی دی جائے گی۔"

تقریر کے آخر میں وزیراعظم صاحب نے ٹیپ کا بند یہ ارشاد فرمایا:

"پاکستان اس غرض کے لیے حاصل کیا گیا ہے تاکہ دنیا کو اسلامی اصولوں پر قائم شدہ ریاست کا نمونہ دکھایا جاسکے۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۵- جنوری ۱۹۴۹ء)

ہمارے وزیر خزانہ ملک غلام محمدؐ صاحب جو ماشاء اللہ پاکستانی کابینہ کے دماغ سمجھے جاتے ہیں اور اپنی مذہبی بصیرت پر انہیں خود بھی بڑا اعتماد ہے اور بہت سے دوسرے حضرات کو بھی اس باب میں ان سے بڑی خوش گمانی ہے وہ "عمر بھر کے غور و مطالعہ" کے بعد عورتوں کے معاملہ میں جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس کا اظہار کراچی میں بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس کے آخری اجلاس میں، ۶- دسمبر ۱۹۴۹ء کو انہوں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا:

"مجھے افسوس ہے کہ ہماری اس کانفرنس میں کہیں سے کوئی عورت نمائندہ بن کر نہیں آئی۔[1] مجھے پوری پوری اُمید ہے کہ طہران میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے آئندہ اجلاس میں کچھ نہ کچھ عورتیں بھی نمائندہ حیثیت سے ضرور شریک ہوں گی۔ اس طرف توجہ دلانے کی ضرورت میں نے اس لیے محسوس کی کہ جب تک کسی ملک کی اقتصادی تعمیر میں عورتیں بھی پورا پورا حصہ نہ لیں اُس کی اقتصادی حالت درست نہیں کی جاسکتی۔ تمام مذاہب میں سے اسلام ہی تو تھا جس نے سب سے پہلے عورت کو سیاسیات و اقتصادیات میں عزت و احترام کا وہ مقام عطا کیا جو اس سے پہلے اُس کو حاصل نہیں تھا۔ پس اسلامی ممالک کو چاہیئے کہ اپنے ہاں کی تمام تحریکوں میں عورتوں

---

[1] اس دینی شعور اور مذہبی حِس کی داد دیجیے کہ پوری کانفرنس میں اسلامی نقطۂ نظر سے جس ایک ہی چیز کی کمی رہ گئی تھی اُس کو ہمارے وزیر مال نے کس طرح تاڑ لیا!

کو صفِ اوّل میں جگہ دے کر ان کے ساتھ انصاف کریں۔ اس کے بغیر اقتصادی بحالی ناممکن نہیں تو سخت مشکل ضرور ہوگی۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہالت اور تحکمانہ ملّائیت نے مسلمان عورتوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اب ہمیں ان کو اقتصادی بندھنوں سے بھی آزاد کرانا ہے اور (مردوں کے مقابل میں) احترام اور برابری کا وہ مقام بھی ان کو دلانا ہے جو اسلام کا تقاضا ہے[۱]"

آخر میں نہایت ادب کے ساتھ میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ عمر بھر کے غور و مطالعہ[۲] کے بعد اب یہ میرا ایمان ہو چکا ہے کہ اسلام کوئی جامد شے نہیں ہے اسلام ایک زبردست طاقت اور ایک زندگی بخش قوت ہے ..... مستقبل کی تعمیر میں اس کا بہت اہم حصہ ہوگا۔ اس کی تعمیر کی ابتدا کی جا چکی ہے[۳]۔ اب ہم میں سے ہر ایک کو اپنا اپنا جائزہ برابر لیتے رہنا چاہیئے کہ جس کام کا بیڑا ہم نے اٹھایا ہے اس کے لیے آپ اپنے کو کس حد تک تیار کر رہے ہیں۔ ہمیں ان خیالات اور جہالتوں سے لڑنا ہے جو صدیوں سے ہم پر مسلط ہیں۔ مگر مجھے اس میں ذرّہ برابر شک نہیں ہے

۱ے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست ہونے کی وجہ سے اسلامی ممالک کی رہنمائی کا جو مقام پاکستان کو حاصل ہے اس کے بین الاقوامی پروگرام کی بسم اللہ گویا آزادیٔ نسواں کے جہاد سے ہوئی ہے۔

۲ے اگرچہ وزیر مال صاحب نے اس بات کی تصریح نہیں فرمائی کہ عمر بھر کس چیز کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نازک حقیقت تک پہنچے ہیں مگر سیاقِ کلام دلیل ہے کہ وہ ظاہر یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ساری زندگی اسلام کے مطالعہ میں بسر فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد اسلام کے متعلق گُل فشانیاں فرمانے اور ہر مجلس میں اس کی ترجمانی کرنے کے حق سے کس کی مجال ہے جو انہیں روک سکے۔

۳ے غالباً آزادیٔ نسواں کے پروگرام کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اب تک ہماری اس سب سے بڑی اسلامی حکومت نے بین الاقوامی پیمانہ پر جس تعمیرِ نَو کا آغاز کیا ہے اس میں عام پبلک کے سامنے نمایاں طور پر یہی چیز آ رہی ہے اور اسی چیز کی شہادت آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن کی رپورٹ سے بھی مل رہی ہے۔

کہ اگر ہم نے اسلام کی صحیح رُوح کو پیشِ نظر رکھ کر کام کیا تو ہم اپنے مقاصد میں کامیاب رہیں گے۔" (پاکستان ٹائمز لاہور، مورخہ ۸۔ دسمبر ۱۹۴۹ء)

بیگمات کے افکار و نظریات

اب بعض بیگمات کی تقریروں اور بیانات کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے جو اس ملک کی خواتین کی لیڈر ہیں (یا جن کو اربابِ اقتدار کی جانب سے اس لیڈری کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے) اور جو مسلمان عورتوں کے لیے نمونہ اور مثال کی حیثیت سے بیشتر سرکاری خرچ پر اس ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس لیے پھرائی جا رہی ہیں کہ یہ ہماری ماؤں اور بہنوں کو دکھائیں اور بتائیں کہ ان کو کس نمونہ کی تقلید کرنی چاہیئے اور کیا بننا چاہیئے۔

اس زمرۂ صالحات وطیبات کی گُلِ سر سبد محترمہ بیگم لیاقت علی خاں ہیں۔ انہوں نے ۲۸۔ جنوری ۱۹۴۹ء کو جہلم میں کالا ریفیوجی کیمپ میں جموں اور کشمیر کے پناہ گزینوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا:۔

"اب وہ وقت نہیں رہا کہ مسلمان عورتیں گھروں کی چار دیواری میں بند بیٹھی ہیں اب اُنہیں اِس خوابِ غفلت سے بیدار ہونا ہوگا اور گھروں سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ قوم کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصّہ لینا ہوگا۔"

مردوں کو مخاطب کر کے بیگم صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"وہ اپنی عورتوں کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ وہ انہیں اس بات کا موقع دیں کہ وہ ان فنون کو سیکھ سکیں جن کی اہلیّت اُن کے اندر پائی جاتی ہو۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور، مورخہ ۲۹۔ جنوری ۱۹۴۹ء)

انہی بیگم صاحبہ نے ۲۶۔ اپریل ۱۹۴۹ء کو لندن میں غیر ملکی اخبار نویس عورتوں کے سامنے پاکستانی عورتوں کی رفتارِ ترقی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

۱؎ جموں اور کشمیر کی پناہ گزین عورتوں کے سامنے، جن کے پاس نہ مکانوں کی چار دیواری ہے نہ ستر پوشی کا کوئی سامان موجود ہے۔ بیگم صاحبہ کی یہ تقریر ممکن ہے بعض کو بے محل معلوم ہو مگر مقصد کا سچا عشق محل اور بے محل کے حدود کی پروا کب کرتا ہے!

"اگرچہ (پاکستان کی) شہری عورتیں پردہ بھی کرتی ہیں اور نقاب بھی اوڑھتی ہیں تاہم اسی فیصدی عورتیں جو دیہات میں رہتی ہیں وہ ایسا نہیں کرتی ہیں نیز پردہ نشین عورتیں بھی اپنے مردوں پر ویسی ہی حاوی اور اپنے گھر کے معاملات میں ویسی ہی با اختیار ہیں جیسے کہ بے پردہ عورتیں۔"

آپ نے فرمایا کہ :-

"مغرب میں بھی تو عورتوں کے مردانہ کارروائیوں اور مصروفیتوں میں حصہ لینے کا خیال ابھی نیا نیا ہی پیدا ہوا ہے۔ بہرحال پردہ دیر سویر ختم ہو کے رہے گا۔ لڑکیوں کی نئی پود جن کی تربیت لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط درسگاہوں میں ہو رہی ہے وہ پردہ میں نہیں جائے گی۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور) مورخہ ۲۷۔ اپریل ۱۹۴۹ء

کُل پاکستان زنانہ ایسوسی ایشن کا ذکر اکثر اخباروں میں رہتا ہے اور ناظرین ایک حد تک اس سے واقف ہوں گے۔ یہ عورتوں کی ایک نیم سرکاری انجمن ہے جس کی سرپرست ہز ایکسیلینسی بیگم خواجہ ناظم الدین اور مس فاطمہ جناح ہیں۔ بیگم لیاقت علی خاں اس کی صدر ہیں۔ اس کی شاخیں پاکستان کے ضلع ضلع میں قائم ہو چکی ہیں۔ ہر جگہ اس کی کرتا دھرتا سرکاری حکام کی بیگمات ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے اس انجمن کو باضابطہ طور پر تسلیم کر کے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جن معاملات کا تعلق عورتوں سے ہوگا ان معاملات میں حکومت اس انجمن سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے گی۔ حکومت جس شفقت کے ساتھ اُس کی سرپرستی

ا بیگم صاحبہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ملک کی شہری عورتوں کے چہرہ پر یہ نقاب کے داغ دھبے کہیں کہیں جو نظر آجاتے ہیں اس کے سبب سے ہمیں ملامت کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ ابھی ہماری اسلامی ریاست کو وجود میں آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ ہماری خامیوں کا محاسبہ شروع کر دیا جائے۔ آخر مغرب کی عورتوں نے بھی تو اپنی موجودہ منزل تک پہنچنے میں کافی دن لگائے۔ ہماری اسلامی حکومت پر بھی کچھ دن گزرنے دیجئے پھر دیکھنا درسگاہوں کی بدولت 'جاہلیت قدیمہ' کا ایک نشان بھی باقی رہ جائے تو کہئے!

کر رہی ہے اس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اس کی کانفرنسیں بالعموم گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا کرتی ہیں[1]۔ اس کی جنرل سیکرٹری بیگم جی۔ اے خان نے اس کے اغراض و مقاصد سے متعلق نمائندہ پریس کو جو بیان دیا ہے وہ ملاحظہ ہو:۔

"یہ ایسوسی ایشن پختہ عزم رکھتی ہے کہ پاکستان کی عورتوں کو تہذیبی اعتبار سے دوسرے ملکوں کی عورتوں کی سطح پر لا کھڑا کرے۔ چنانچہ ایسوسی ایشن عنقریب اپنے نمائندوں کو دوسرے ملکوں میں اس غرض سے بھیج رہی ہے تاکہ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئیں کہ وہاں کی ایسی تنظیمیں کس طرح کام کرتی ہیں ....

زینت خورشید جو ایسوسی ایشن ہذا کی رکن ہیں، مذکورہ بالا مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر ہالینڈ جا رہی ہیں۔ جوں ہی ہمارے ارکان کی تعداد ۲۵ ہزار تک پہنچ گئی ہم اقوامِ متحدہ کی سماجی اور اقتصادی کونسل سے الحاق کی درخواست کر دیں گی۔"

(پاکستان ٹائمز، لاہور، مورخہ ۲۵۔ جون ۱۹۴۹ء)

یہ انجمن جس قسم کی ثقافتی و تہذیبی ترقی اس ملک کی خواتین میں پیدا کرنی چاہتی ہے اس کا اندازہ بیگم طیّب جی کی مندرجہ ذیل تقریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے اس انجمن کے ایک اجلاس میں ثقافتی ترقی کے ریزولیشن پر فرمائی:۔

"ایک عام شکایت جوان دنوں میں نے بہت سنی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں (پاکستان میں) عمدہ قسم کے گانوں کا کُلّی فقدان ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں گانے بجانے کے تمام اُستاد اور مُعلّمین مسلمان ہی رہے ہیں تو یہ موجودہ صورتِ حال بہت ہی ستم ظریفانہ معلوم ہوتی ہے۔ مغلوں کے زمانہ میں گانا بجانا لڑکیوں کی تربیت کا ایک لازمی جزو تھا اور معمولی گانا بجانا نہیں بلکہ نہایت اُونچے قسم کا۔ یہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے اور درحقیقت یہ ایک بہت بڑا خسارا ہے کہ ہمارے زمانہ کی لڑکیاں معیاری اور پکے گانوں کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اُن کی بڑی سے بڑی اُمنگ بس فلمی گیتوں کے سیکھنے تک محدود ہے۔ یہ گانے بھی اگرچہ اپنے عام

---

[1] ملاحظہ ہو دی سیکنڈ ایر پاکستان ۴۹۔۱۹۴۸ء صفحہ ۲۲۶ اور سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۵۔ فروری ۱۹۵۰ء

انداز میں اچھے ہوتے ہیں مگر یہ کانوں کو حقیقی حسنِ صوت کے امتیاز کے قابل نہیں چھوڑتے۔ (دی سیکنڈ ایر شائع کردہ پاکستان پبلیکشن ص۷۲)

اس ثقافتی ترقی کو عملاً بروئے کار لانے کے لیے ایک باضابطہ ادارہ بھی قائم ہوچکا ہے جس کو ازراہِ دینداری ہمارے وزیر خزانہ ملک غلام محمد صاحب نے اپنی سرپرستی سے مشرف فرمایا ہے۔ اس ادارہ کا اعلان ملاحظہ ہو:-

"پاکستان اکاڈمی آف آرٹ!

پاکستان میں ناچ سکھانے کی اسکیم

راولپنڈی -۲۹- نومبر مشہور پاکستانی[1] رقاصہ آذوری (حال بیگم نزہت محمود) نے بیان کیا کہ آئندہ سال کے شروع میں پاکستان میں جسم بنانے (PHYSICAL CULTURE) اور جسمانی حرکات میں تناسب و ہم آہنگی پیدا کرنے کا پہلا ادارہ قائم ہوجائے گا۔ اس کا اصل مرکز کراچی اور ضمنی مراکز مغربی اور مشرقی پاکستان کے اہم شہروں میں ہوں گے۔ اس ادارہ کا مقصد پاکستانی عورتوں اور بچوں میں تال، سر، صحت اور جسمانی انضباط کا شعور پیدا کرنا ہے۔

بیگم محمود نے کہا کہ وہ اپنی اس اسکیم کے سلسلہ میں مسٹر غلام محمد صاحب وزیر خزانہ پاکستان اور بیگم لیاقت علی خاں سے ملاقات کرچکی ہیں۔ ان دونوں صاحبوں نے اس کام میں پوری مدد دینے کا وعدہ کیا ہے[2]۔ میرے پیشِ نظر سب سے بڑھ کر یہ

---

[1] یہ نامہ نگار کی کوتاہی ہے کہ اس نے بیگم صاحب کو محض 'پاکستانی رقاصہ' لکھا ہے۔ وہ اپنے جذبات و حسیات کے لحاظ سے تو 'اسلامی رقاصہ' کے لقب کی مستحق ہیں، اور ویسے بھی اب اس مملکتِ اسلامیہ میں کوئی شے غیر اسلامی کب رہ گئی ہے۔

[2] بیگم صاحبہ نے کراچی کے اکابر و اکابرات سے ملنے ہی میں معلوم ہوتا ہے کوتاہی کی ورنہ انہی دو کی کیا خصوصیت ہے۔ وہاں کے ابرار و صالحین میں سے کوئی بھی اس خالص دینی اور اسلامی خدمت میں شرکت و تعاون سے پیچھے رہنے والا نہیں ہے۔

بات ہے کہ رقص کو جو اکابر شاہانِ مغلیہ کی سرپرستی میں اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا اور اب پاکستان میں رُو بہ تنزل ہے پھر سے زندہ کیا جائے[۱]! وہ بین الاقوامی نمائش فنون میں جو ۱۹۵۱ء میں لندن میں منعقد ہو رہی ہے پاکستان کو دنیا کے تہذیبی نقشہ پر جگہ دلائی جائے۔

اس عظیم الشّان کام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پہلا قدم یہ ہوگا کہ آذوری راولپنڈی میں ۱۰- دسمبر ۱۹۴۹ء کو رقص اور جسم بنانے کے فن کی نمائش کریں گی!!

اپنے اس ادارہ کے مقاصد کی تفصیل کرتے ہوئے آپ نے بیان کیا کہ ان کے پیشِ نظر پاکستانی عورتوں کو صرف ناچ گانے کے فن ہی میں یکتائے روزگار بنانا نہیں ہے بلکہ ان کی شخصیتوں کو تہذیب کے رنگ میں رنگ دینا اور ان کو اپنی اصل جگہ حاصل کرنے اور آئندہ تعمیر ملت[۲] کے کاموں میں اپنا پورا حصّہ ادا کرنے کے قابل بنانا ہے۔

آپ نے کہا کہ اس ادارہ کا دائرۂ عمل صرف ناچ اور گانا سکھانے ہی تک محدود نہیں ہوگا بلکہ یہ بہت سے دوسرے فنون مثلاً مصوّری وغیرہ سکھانے کا بندوبست بھی کرے گا۔

'خٹک ناچ' کا ذکر کرتے ہوئے آذوری نے بڑے دعویٰ سے کہا کہ 'خٹک ناچ' مسلمانوں کا ناچ[۳] ہے۔ یہ اپنی موجودہ طرز اور موجودہ کمال کو اکابر شاہانِ مغلیہ

۱۔ تاریخ کا جو شذ بُد تھوڑا سا مطالعہ ہمارا ہے اُس کی بنا پر یہ عرض ہے کہ یہ فنِ شریف مُغل سلاطین کے اُس دَور میں اپنے کمال پر پہنچا تھا جو دَور خود ان سلاطین کے زوال کا دورِ آخر تھا اور بیگم صاحبہ ہمارے دَورِ طفولیت ہی میں اسے کمال کی متمنّی ہیں۔ جب ابتدا اسی نقطہ سے ہو رہی ہے تو دیکھئے اس کی انتہا کیا ہو۔

۲۔ اس مقام سے سرسری نہ گزر جائیے بلکہ یہاں اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارے معمارانِ ملّت کے نزدیک "تعمیرِ ملّت" کی اصطلاح کا اصلی مفہوم کیا ہے اور ملّتِ اسلامیہ کی تعمیر درحقیقت کن اجزاء سے ہوتی ہے۔

۳۔ اگلے صفحے پر

کی سرپرستی میں پہنچا۔ پاکستانی رقاصہ آذوری نے ہندوستان کے اس دعویٰ کی کہ خٹک ناچ ان کی چیز ہے پرزور تردید کی اور اس بات کو بہت زور دے کر کہا کہ اس ناچ کو ہمیں ہندوستان والوں سے پھر حاصل کرنا ہے[1]!

(سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، مورخہ ۳۰-نومبر ۴۹ء)

ان بیگم صاحبہ کے متعلق ایک اور اعلان بھی قابلِ ملاحظہ ہے جو ۶-فروری ۵۰ء کے 'احسان' لاہور میں شائع ہوا ہے:

"کراچی ۴-فروری- ملک میں آرٹ کو ترقی دینے کے لیے عنقریب اکاڈمی آف آرٹ کا قیام عمل میں آجائے گا۔ مادام آذوری جو مشہور آرٹسٹ ہیں انہوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کو بتایا ہے کہ ملک کو زیادہ آرٹ آشنا بنانے کے لیے تحریک جاری کی جائے گی تاکہ پاکستان آرٹ کے لحاظ سے بھی دنیا کے ممالک میں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکے۔ آپ نے کہا کہ دنیا کی کوئی قوم آرٹ کے بغیر ترقی کے منازل طے نہیں کر سکتی..... آپ نے مزید کہا کہ توقع ہے کہ پاکستان

حاشیہ ۲۳ رہ گذشتہ: یہ بھی بیگم صاحبہ کی عنایت ہے کہ انہوں نے اسے صرف "مسلمانوں" کا ناچ قرار دیا۔ ورنہ انہیں تو اسے خالص اسلامی ناچ کہنا چاہیے تھا۔

[1] پاکستان کے تمام مسلمانوں کو آذوری صاحبہ کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ انہوں ایک ایسے عظیم الشان قومی و ملّی نقصان پر ہم کو "متنبہ" کیا ہے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کی بھی توجہ نہیں گئی۔ واگہ کے اس پار کے نقصانات کا جب کبھی ذکر آیا تو کسی نے ہزاروں بہوؤں، بیٹیوں کی بے حرمتی کا غم کیا، کسی نے مساجد اور مزارات کا ماتم کیا، کسی نے ایک آہِ سرد کے ساتھ دینی مدارس اور اسلامی کتب خانوں کو یاد کیا۔ لیکن اسے اسلامی بے حسی کہیے یا دینی بے خبری کہ ہمارے بڑوں اور چھوٹوں میں سے کسی کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ہمارا خالص ملّی و اسلامی ناچ "خٹک ناچ" بھی واگہ کے اس پار ہی رہ گیا اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ظالم ہندو اسے اپنائے لے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ان کا ناچ ہے۔ اللہ اکبر! یہ ظلم! اگر اس ورثۂ ملّی کو بھی ہم واپس نہ لے سکے تو پاکستان بنانے سے حاصل کیا ہوا؟

کے وزیر خزانہ اس نئی اکاڈمی کے صدر ہوں گے۔ مادام آذوری نے کہا کہ دنیا کے تمام ممالک میں آرٹ کی ترقی کے لیے ان کے اپنے قومی تھیئٹر ہیں لیکن پاکستان میں کوئی تھیئٹر نہیں۔ پاکستان کو ان تھیئٹروں کی بہت ضرورت ہے۔"

ان اعلانات میں بار بار آرٹ کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس سے ناظرین کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ اس طائفہ کی اصطلاح میں آرٹ سے مراد ناچ اور گانا ہے۔ نیز ان اعلانات میں جس آرٹ اکاڈمی کے قیام کی بشارت دی گئی ہے اس کے باضابطہ قیام کا اشتہار بھی آذوری صاحبہ کے رقص کی تصویر کے ساتھ ۹۔ فروری ۱۹۵۰ء کے 'ڈان' کراچی میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس اشتہار پر "زیر سرپرستی آنریبل مسٹر غلام محمد وزیر مال" کے الفاظ بھی اہلِ پاکستان کی آنکھیں روشن کرنے کے لیے ثبت ہیں۔ یہاں پھر ایک مرتبہ پلٹ کر مسٹر غلام محمد کی اس تقریر کو پڑھ ڈالئے جو انہوں نے اسلامی اقتصادی کانفرنس میں کی تھی، یہ ہے عمر بھر کے مطالعۂ اسلام کا نچوڑ۔

زنانہ نیشنل گارڈز

پاکستان زنانہ نیشنل گارڈز کو جو اہمیت دی جا رہی اور اس کی پریڈوں اور سلامیوں سے اس ملک کے اربابِ اقتدار اور لیڈر صاحبان کو جس درجہ دلچسپی ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ اس وقت دفاعی نقطۂ نظر سے علی الاہمیت ہمارے ملک میں اگر کسی چیز کو حاصل ہے تو اسی چیز کو حاصل ہے۔ ہماری قیادتِ عُلیا کے اراکین اپنے مصروف پروگراموں میں اور کسی چیز کے لیے وقت نکال سکیں یا نہ نکال سکیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ زنانہ نیشنل گارڈ کی پریڈوں اور سلامیوں کو قضا ہونے دیں اور یہ پریڈیں اور سلامیاں جن اسلامی آداب و قواعد کے اہتمام کے ساتھ منعقد ہوتی ہیں اس کے متعلق چند رپورٹیں ملاحظہ ہوں :-

"قیامِ پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ پاکستان زنانہ نیشنل گارڈز کی طرف سے ڈھاکہ اسپورٹس ایسوسی ایشن کے وسیع میدان میں قواعد، کھیل اور رسہ کشی کا مظاہرہ کیا گیا۔ صوبہ کے گورنر سر فریڈرک بورن نے زنانہ نیشنل گارڈز کی

سلامی قبول کی اور انعامات تقسیم کیئے۔نیشنل گارڈز کی جماعت میں شہر کے بعض مقتدر حضرات کی بیگمات اور کالج کی طالبات شریک ہیں اور باوجود روزمرہ کی مصروفیات کے یہ خواتین اس قومی ادارہ میں بہت دلچسپی کا اظہار کرتی ہیں۔ اس کے قیام کی پہلی سالگرہ کے موقع پر نہ صرف ڈھاکہ بلکہ دوسرے اضلاع کی خواتین بھی اسپورٹس میں شریک ہوئیں۔ پنجاب رجمنٹ کے بینڈ کے ہمراہ سفید وردیوں اور سبز پٹیوں میں ملبوس خواتین نے مارچ پاسٹ کی رسم ادا کی۔اس کے بعد سوگز کی دوڑ، لانگ جمپ (لمبی چھلانگ) رسہ کشی اور دوسرے کھیلوں کے مظاہرے کیئے گئے۔اس موقع پر ہندوستان کے ہائی کمشنر مسٹر سنتوش کمار باسو، میجر جنرل ایوب خاں اور دوسرے اعلیٰ فوجی اور سول افسران بھی موجود تھے۔" (نوائے وقت، ۱۶۔ مارچ ۱۹۴۹ء)

پچھلے دنوں اس زنانہ نیشنل گارڈ کے ایک دستہ کو مکّہ اور مدینہ کی سندِ تصدیق بھی حاصل ہو گئی۔سعودی عرب کے جو نمائندے بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے انہوں نے ایک "چاق و چوبند" دستہ کی پریڈ دیکھی اور نہ صرف اس کی تحسین فرمائی بلکہ یہ اُمید ظاہر کی کہ سعودی عرب کی خواتین بھی اس اُسوہ حسنہ کی پیروی کریں گی۔پاکستان کے مسلمان جو مکّہ اور مدینہ کے فتووں کو ہمیشہ آخری دینی سند کی حیثیت دیتے رہے ہیں۔علم بردارانِ کتاب وسُنّت کے اس فتوے کے بعد بھلا اب کسی کو زنانہ نیشنل گارڈ کے کسی پہلو پر نکتہ چینی کے لیے کاہے کو لب ہلانے کی اجازت دیں گے۔اصل خبر بالفاظہا ملاحظہ ہو!

"کراچی ۹۔دسمبر آج کراچی میں پاکستان زنانہ نیشنل گارڈ کے ایک چاق و چوبند دستہ نے پریڈ کی، بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس میں شریک ہونے والے سعودی عرب کے ارکان وفد اور پاکستان میں سعودی عرب کے مدارالمہام نے پریڈ کی سلامی لی۔سعودی عرب کے وفد کے لیڈر نے اس تقریب کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی خواتین قومی زندگی میں مردوں کے دوش

بدروش جس طرح کام کر رہی ہے اِن شاء اللہ سعودی عرب کی عورتیں بھی اپنے فرائض اسی تندہی سے انجام دیں گی " (نوائے وقت ۱۱- دسمبر ۱۹۴۹ء)

اس زنانہ نیشنل گارڈ کی تمام تربیت مرد فوجی افسروں کے سپرد ہے اور وہ ان دستوں کی تربیت جن شرعی و اخلاقی ذمہ داریوں کے ساتھ کر رہے ہیں اور اس کے جو نتائج سامنے آ رہے ہیں اس کے متعلق ایک واقفِ حال کی شہادت ملاحظہ ہو۔ سِول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے اپنی ۲۳- اپریل ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں اپنے ایک مراسلہ نگار "حقیقت پسند" کا مندرجۂ ذیل مراسلہ شائع کیا ہے :- " جنابِ من!

پیشتر اس کے کہ آپ تتلیوں اور پردے کی بحث ختم کریں، کیا آپ ایک حقیقت پسند شخص کو بھی اپنے احساسات پیش کرنے کا موقع دیں گے۔

فوج سے متعلق اپنے ۳۰ سالہ تجربہ کی بنا پر میرا یہ خیال ہے کہ فوج کے صرف وہ افسر عورتوں کے آوارہ پھرنے کے حق میں ہیں جو محض جنگی ضرورت کی پیداوار ہیں ...... یہ لوگ نوجوان ہیں اور عورتوں کی یہ آزادی اس لیے چاہتے ہیں تاکہ جہاں موقع میسّر آئے یہ عورتیں ان کی تفریح کا سامان بن سکیں۔ اُن کے ہاں کھانے کی میزوں پر سب سے زیادہ پردہ ہی بحث کا موضوع ہوتا ہے اور یہ لوگ تصویر کا دوسرا رُخ کبھی دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

میں کیپٹن ظفر اللہ اور اُن کے ہم خیال لوگوں کی توجہ ابھی دنوں کی صرف اس خبر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس میں ان زنانہ نیشنل گارڈوں کا ذکر تھا جن کا معائنہ نرسنگ اور دوسرے ڈاکٹری شعبوں میں بھرتی کے لیے زیرِ غور تھا اور اس سلسلہ میں اُن کے ڈاکٹری معائنہ کی ضرورت پیش آئی۔ اس ڈاکٹری معائنہ کا خوفناک نتیجہ بیان کرنے سے میں دانستہ احتراز کرتا ہوں۔ یہی ایک بات ہمارے سمجھدار دستوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ آخر اس کی وجہ مردوں

۱؎ نامہ نگار صاحب کی یہ سادہ مزاجی قابلِ داد ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کے خوفناک نتائج ان حضرات کی آنکھیں کھولنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ یہی تو وہ چاہتے ہیں کہ یہ مبارک نتائج برآمد ہوں اور ان میں زیادہ سے زیادہ

اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟

"حقیقت پسند" لاہور

اگر آپ یہ اندازہ کرنا چاہیں کہ دفاعِ ملکی اور نیکی و خیرات کے خشک و بے مزہ اور کڑوے کسیلے کاموں کو ہماری اس زنانہ نیشنل گارڈ نے کس قدر لذیذ اور پُرکشش بنا دیا ہے تو اس کے لیے اس کی تیسویں بٹالین کے اس تفریحی پروگرام کی رُوداد ملاحظہ فرمائیے جو کنٹرک ہال میں زیرِ سرپرستی بیگم لیاقت علی خاں ۲۷-۲۸-۲۹- اگست کی تاریخوں میں منعقد ہوا- یہ رُوداد 'ڈان' میں اس کے نامہ نگار کے قلم سے شائع ہوئی ہے- نامہ نگار لکھتا ہے :-

پاکستان زنانہ نیشنل گارڈ کا تیسواں بریگیڈ گذشتہ تین روز سے ایک نایاب نظارۂ جمال فراہم کر رہا ہے- لوگ جب کسی نیک مقصد میں مدد کے لیے خیراتی فنڈ کا کوئی تماشہ دیکھنے جاتے ہیں تو ٹکٹ خریدتے ہوئے عموماً وہ کسی اونچے معیار کی توقع نہیں رکھتے- اس وجہ سے ان کے لیے یہ پُرمسرت اور تعجب انگیز امر تھا- جب انہوں نے دیکھا کہ موسیقی، رنگ اور زرّیں ملبوسات کا ایک طوفان اُن پر اُمنڈ پڑا .... تماشہ کی ابتدا سازندوں کے ایک طائفہ نے کی- نوخیز، خوش جمال اور خوش پوشاک لڑکیاں ستار، اسراج، وائلن اور بانسری پُورے کمالِ فن کے ساتھ بجا رہی تھیں- یہ انبوہِ جمال و موسیقی دیکھنے والوں اور سننے والوں کے لیے جنّتِ نگاہ اور فردوسِ گوش تھا- پھر چھ مہوش لڑکیوں نے فصلی ناچ شروع کیا- یہ ناچ حسن و شباب اور مسرت و انبساط کا پُورا پُورا مظاہرہ تھا- منی پُوری ناچ تو کمالِ فن کا ایک نادر نمونہ تھا جو ایسے تفریحی تماشوں میں دیکھنے کا کم ہی اتفاق ہوتا ہے- مصری ناچ اپنی خصوصیات کے مطابق حرکاتی تیزی اور نغماتی ہم آہنگی کا ایک دلکش مرقع تھا- پھر پنجاب کا مشہور دیہاتی ناچ لڈّی تو بس طوفانِ نغمہ و رنگ تھا- ستار پر مسز نذیر احمد کا نغمہ تنہائی اور اس پر رنگ برنگ روشنیوں کا بہاؤ آوازکے جادو کو دوبالا

کررہا تھا۔ پردوں کے پس منظر میں غالبؔ کی غزل سے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ مرے آگے

ایسے دل آویز انداز میں گائی جارہی تھی کہ دل کے تاروں کو مرتعش کیے دیتی تھی .... رنگ و لباس اس تفریحی تماشہ کی دو بڑی خصوصیتیں تھیں۔ ان خصوصیتوں کا مظاہرہ سوزن کاری کی فیشن پریڈ کے ذریعہ کیا گیا۔ مسلمانوں کے مختلف قسم کے ملبوسات، آب و تاب، ریشمی چمک اور جواہراتی دمک کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ دہلوی بیگمات اپنی ناممکن التقلید خصوصیات کے ساتھ حیدرآبادی بیگم آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے پرشکوہ ملبوس میں، لکھنوی بیگم اپنے مخصوص ناز و ادا کے ساتھ جو واجد علی شاہی دربار کا طرۂ امتیاز تھا۔ رامپوری بیگم اپنے دل رُبا انداز، نئی پاکستانی خاتون قدامت کے لوچ کے ساتھ نئی تیزی اور نفاست لیے ہوئے میمن اور سورتی بیگمات اپنے دل آویز کاڑھے ہوئے ملبوسات کے ساتھ اسٹیج کے آر پار تھرک تھرک کر ایک ہوش رُبا منظر پیش کررہی تھیں۔

تماشہ کا اختتام درجن بھر عورتوں کی دلفریب قوالی سے کیا گیا۔ نہ صرف یہ کہ موسیقی اور نغمہ کسی بہتر سے بہتر قوالی کے معیار کا تھا۔ بلکہ ان پُرفن عورتوں نے تو اپنے پُرسحر ناز و ادا سے قوالی میں کمال ہی کر دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کامیابی میں اُن کے حُسن و لباس کو بہت کچھ دخل تھا۔

نغمہ و رقص سے مرکّب چار سین کا ایک پُرمذاق ڈراما بھی پیش کیا گیا جس کا نام ''جیت'' تھا۔ یہ ایک مسلمان رئیس کے گھر کا نقشہ پیش کرتا تھا .... ہیروئن مسرت و انبساط کی تصویر تھی۔ مذاق اور شوخی و شرارت سے بھری ہوئی اداکاری اور فن کاری کا مرقّع۔ تینوں منگیتر نہایت زور آور نوجوان تھے لیکن جیتنے والا حمید تو واقعی فاتح تھا ....

بیگم لیاقت علی خاں دلی مبارک باد کی مستحق ہیں کہ انہوں نے کمال مہربانی سے سرپرستی فرماکر اس تماشہ کو پیش کرنے کی ہمت افزائی فرمائی۔ یہ صرف اُنہی کی پرتجسّس نگاہیں تھیں جنھوں نے بہت سے پوشیدہ جواہرات کو ڈھونڈ نکالا۔ آرٹ اور اُس کے متعلقات سے اُن کی دلچسپی نے ہماری معاشرت میں آرٹ اور موسیقی کو دوبارہ زندگی بخشی ہے۔

یہ تماشا کہاں تک پسند کیا گیا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ تماشا کے دوران میں قریب قریب ہر پیش کش پر ریلیف فنڈ کے لیے عطیات کے اعلان ہوتے رہے۔ (ڈان مورخہ ۳۰۔ اگست ۱۹۴۸ء)

یہ ہے ہماری اس زنانہ نیشنل گارڈ کی تصویر جس کو اس وقت پاکستان کی دفاعی تیاریوں عملاً کی اہمیت حاصل ہے، یہ ہے ہماری وہ فوج ظفر موج جس کے لیے قرآن و حدیث سے دلیلیں فراہم کی گئی ہیں کہ مسلمان خواتین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جنگی کاموں میں حصّہ لیتی تھیں، یہ ہیں وہ طریقے جن میں ماہر ہو جانے کے بعد ہماری بہنیں اور بیٹیاں دشمنوں کے چھکے چھڑا دیں گی اور یہ ہیں وہ اسلامی طریقے جن سے ہماری قوم کا جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ ابھرتا ہے اور جن سے کام لے کر وہ اپنے جہاد کے لیے روپے فراہم کرتی ہے۔

زنانہ کالجوں کا رنگ

ہمارے زنانہ کالجوں میں لڑکیوں کو جس طرح اسلامیت کے رنگ میں رنگا جا رہا ہے اس کے ثبوت میں صرف مس فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور کا حوالہ دے دینا شاید کافی ہوگا۔ اخباروں میں آئے دن اس کالج سے متعلق ایسی تصویریں چھپتی رہتی ہیں جن میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے وزرائے عظام یا حکام عالی مقام میں سے کوئی بزرگ نہایت شان سے براجمان ہیں اور اُن کے ارد گرد کالج کی طالبات اور معلّمات اس طرح جمع ہیں جس طرح شمع کے گرد پروانے جمع ہوں۔

لاہور کا اسلامیہ کالج فار ویمن ایک باپردہ کالج ہونے کے لحاظ سے مشہور رہا ہے

اب ہمارے اربابِ کار اس کو جو شکل دینے کی کوشش کر رہے ہیں اس کا اندازہ ذیل کے مراسلہ سے فرمایئے جو سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کی ۲۰-جنوری ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ ایک طالبہ کا باپ اخبار مذکور کے ایڈیٹر کو لکھتا ہے:

جنابِ من!

زنانہ اسلامیہ کالج لاہور خالصتہً باپردہ ادارہ ہے اور اس بنا پر اسے مسلمانوں سے عطیات اور امدادی و خیراتی رقوم حاصل ہوتی رہی ہیں۔ مگر آجکل ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کالج میں ایسے مرد اور اُن کے دوست احباب آتے ہیں جن کا اس ادارے سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ جب ایسے لوگ کالج میں آتے ہیں اور یہ وقتاً فوقتاً آتے ہی رہتے ہیں۔ تو لڑکیوں کو حکماً ننگے سر اور بے نقاب رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مَیں ایک طالبہ کے والد کی حیثیت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اب یہ کالج باپردہ نہیں رہا؟ اگر نہیں رہا تو پبلک کو اس سے آگاہ کیوں نہیں کیا گیا؟[1]

ایم۔ اے مجید قریشی لاہور

مخلوط کالجوں کا حال

لڑکوں اور لڑکیوں کے مخلوط کالجوں اور اسکولوں کے متعلق ہر نیک دل مسلمان کو یہ گمان تھا کہ تہذیبِ شیطانی کی یہ لعنتِ کُبریٰ پاکستان بننے کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کی جائے گی لیکن اوپر بیگم لیاقت علی خاں کا بیان آپ پڑھ چکے ہیں کہ آزادیٔ نسواں اور پردہ شکنی کے لیے جو جہاد انہوں نے شروع کر رکھا ہے اُس میں اپنی ساری کامیابی کا انحصار وہ انہی کالجوں پر سمجھتی ہیں۔ انہی کالجوں کے اندر، اُن کے خیال میں اس فوج ظفر موج کے افسر اور کمانڈر تیار ہو رہے ہیں جو اس ملک میں اس خالص اسلامی تہذیب کو

---

[1] نامہ نگار صاحب سے گذارش ہے کہ جب پبلک اتنی اندھی ہو جائے کہ دن دہاڑے اور ڈنکے کی چوٹ عملاً جو کچھ کیا جا رہا ہے اُسے نظر نہ آئے تو آخر اُسے اُلّو کیوں نہ بنایا جائے۔ وہ تو اپنے سامنے THE WORLD IS FULL OF FOOLS: دنیا بے وقوفوں کی بستی ہے کا قاعدۂ کلیہ رکھ کر چل رہے ہیں اور اُن کا اب تک کا تجربہ اسی قاعدہ کی تصدیق کرتا ہے۔

قائم کرے گی جس کے لیے بیگم صاحبہ میلاد کی مجلسوں میں والہانہ انداز میں تقریریں فرمایا کرتی ہیں اور جس کے قائم کرنے کے لیے ہی اُن کے محترم شوہر نے پاکستان دستور ساز اسمبلی میں مشہور قرار دادِ مقاصد پاس کرائی ہے۔

ان کالجوں میں پڑھنے والیوں اور پڑھنے والوں کے متعلق تو ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ ایک واقعہ یاد آگیا ہے جس کو ہم محض اس خیال سے یہاں ذکر کرتے ہیں کہ اس سے فی الجملہ اندازہ ہو سکے گا کہ موجودہ تعلیم کس ٹائپ کے اشخاص تیار کرتی ہے اور کس ذہنیت اور کس مذاق کے لوگ ہیں جن کو اس نظامِ تعلیم میں یہ درجہ بخشا گیا ہے کہ وہ ہماری نوجوان نسل کے لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک مکتب میں بٹھا کر تعلیم دے رہے ہیں اور پھر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس سے اخلاق بگڑتے نہیں بلکہ بن رہے ہیں۔

غالباً اپریل ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اور اُن کے بعض رفقاء کو پاکستان کے ایک کالج میں تقریر کے لیے دعوت دی گئی جو لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط کالج تھا۔ مہمان کی تقریر سننے کے لیے ہال میں جس طرح لڑکے جمع ہوئے اسی طرح طالبات بھی جمع ہوئیں اور تہذیبِ جدید کے آداب کے مطابق لڑکیاں ہال کی اگلی بنچوں پر بیٹھیں اور ایک آدھ کے سوا سب بہنیں بے نقاب تھیں۔ جب حاضرین اور مہمان اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو کالج کے پرنسپل صاحب معزز مہمان کے خیر مقدم اور حاضرین سے اُن کے تعارف کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنی فصیح و بلیغ تقریر کا آغاز اُنہوں نے ایک مصرعہ سے فرمایا جس کو اپنے اَدَبی ذوق اور اپنی اخلاقی حِس دونوں پر انتہائی ظلم کر کے مَیں محض اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ ناظرین اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔ مصرعہ یہ تھا :- ؏

خُدا جب حُسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے!

پرنسپل صاحب نے یہ مصرعہ اس بے تکلّفی سے پڑھ دیا گویا خُطبۂ مسنونہ تلاوت فرما رہے ہیں اور دوسروں کا تو پتہ نہیں مگر میرا جو حال ہوا اس کا اندازہ اس سے فرمایئے

کہ باوجودیکہ اب اس واقعہ پر ایک مدت گذر چکی ہے لیکن آج بھی اگر اس اجتماع اور اس مصرعہ کا خیال آجاتا ہے تو مجھے ایسی شرمندگی ہوتی ہے کہ گویا اس مصرعہ کے پڑھنے کا جرم پرنسپل صاحب سے نہیں بلکہ مجھ سے ہی صادر ہوا تھا۔

اس واقعہ کے بیان کرنے سے مقصود کسی خاص کالج اور اس کے پرنسپل صاحب کو زیر بحث لانا نہیں ہے بلکہ مقصود محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن مخلوط کالجوں کی نسبت بیگم لیاقت علی خاں صاحب اور ہمارے ارباب کار کو یہ گمان ہے کہ اُن کے اندر اس ملک میں آئندہ قائم ہونے والی تہذیب کے نمونے ڈھالے جارہے ہیں۔ اُن کے طلبہ اور طالبات تو الگ رہے، اُن کے پرنسپلوں تک کے مذاقِ سلیم کا یہ حال ہے کہ ان کی صحبت سے ثقہ اور سنجیدہ لوگوں کو پرہیز کرنا واجب ہے۔

ڈرامے اور مینا بازار

آزادیٔ نسواں اور پردہ شکنی کی اس تحریک ہی کو مقبول بنانے کے لیے ڈراموں، ناچ گانے کی مجلسوں اور مینا بازاروں کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے جس کی ہر دلعزیزی اس تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید پاکستان میں تہذیب و ثقافت نام ہی اُن چند چیزوں کا رہ جائے گا۔ ڈراموں میں بیشتر زنانہ نیشنل گارڈز، کالجوں کی طالبات اور سرکاری اداروں کی پناہ گزیں لڑکیاں حصہ لیتی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اس "آرٹ" کو فروغ دینے کے لیے ہمارے اندر سے ایک مستقل طبقہ اس تحریک کے کارکنوں کے ہاتھ آگیا ہے جو عجب نہیں کہ بگڑتے بگڑتے ایک دن اس کو پیشہ ہی بنا بیٹھے۔

مینا بازار پاکستان میں بیگم لیاقت علی خاں صاحب کی اوّلیات میں سے ہے انہی نے کراچی میں اس کا آغاز فرمایا اور اب یہ حال ہے کہ پاکستان میں قومی و ملی مقاصد کے لیے روپے اکٹھے کرنے کا اس کو واحد کامیاب ذریعہ خیال کیا جانے لگا ہے۔ پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر میں کراچی کے مینا بازار کی تقلید کی جاچکی ہے اور جو شہر باقی رہ گئے ہیں وہ بھی جلد از جلد اس اُسوۂ حسنہ کی پیروی سے سعادت اندوز ہونے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ مینا بازار ظاہر میں تو اس غرض کے لیے منعقد کئے جاتے ہیں کہ ان سے قومی اغراض کے لیے روپیہ

اکٹھا کیا جائے لیکن درحقیقت اُن کا مقصد عورتوں کو اس آزادی و بے قیدی کی چاٹ لگانا ہے جو اس ملک کے اربابِ اقتدار یہاں پھیلانے کے دل سے خواہشمند ہیں۔ چنانچہ اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر یہاں مینا بازار کی ایک خاص قسم رائج کی گئی ہے جو پردہ شکنی کی تحریک اور جنسی جذبات کو بھڑکانے میں خاص طور پر مُعین ہے اور چونکہ جنسی جذبہ کی زود اشتعالی اور اثر انگیزی معلوم ہے اور اُس کے ذریعہ سے بڑی آسانی کے ساتھ عوام کی بھیڑیں اکٹھی کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے اس نسخہ کو پُوری آزادی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ قوم کو اگر ایک آزاد اور طاقتور قوم کی حیثیت سے زندہ رکھنا ہے تو اس کو ایسی تربیت دینے کی ضرورت ہے کہ اُس کے اعلیٰ قومی اور مذہبی جذبات بیدار ہوں اور تمام پیشِ نظر مہمات میں وہی جذبات اس کی رہنمائی کریں۔ اگر ہر کام ناچ گانے کی مجلسوں، ڈراموں اور مینا بازاروں ہی کے واسطہ سے لیا گیا تو کچھ عرصہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ایک جنسی جذبہ کے سوا اس قوم کے دوسرے سارے جذبات بالکل مُردہ ہو جائیں گے، یہاں تک کہ اگر آپ کوئی مسجد بنانے کے لیے بھی اس سے چندہ مانگیں گے تو اس وقت تک وہ آپ کو ایک حبہ نہیں دینے کی، جب تک آپ پہلے اس کو مینا بازار کی سیر نہ کرائیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں یہ ذوق روز بروز ترقی کرتا جارہا ہے اور مینا بازاروں کی نت نئی قسمیں ایجاد ہوتی جارہی ہیں۔

۱۳۔ دسمبر ۱۹۴۹ء کو ایک مینا بازار سیالکوٹ میں لگایا گیا تھا۔ اس کا افتتاح پاکستان کے کمانڈر انچیف سر ڈگلس گریسی نے فرمایا۔ اس کے پروگرام میں ایک دن عورتوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس خاص دن کے متعلق ایک خاتون کا بیان ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے عینی مشاہدہ کے بعد اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع کرایا ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ پاکستان میں مینا بازاروں کا مقصد کیا ہے [۱]

---

[۱] اس کا اندازہ کرنے کے لیے ناظرین کو ۲۰۔ مارچ ۱۹۴۹ء کے سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں کراچی کے مینا بازار میں صرف بیگم لیاقت علی خاں صاحب اور ملک غلام محمد صاحب وزیرِ خزانہ پاکستان کی ملاقات کی ایک تصویر دیکھ لینا کافی ہوگا۔

خاتون مذکور لکھتی ہیں :-

"جناب من!

سیالکوٹ چھاؤنی میں جو مینا بازار لگایا گیا تھا اس کے متعلق یہ اعلان کیا گیا کہ اس کا دوسرا دن عورتوں کے لیے خاص ہوگا۔ میں یہ اعلان ہی سن کر حیران رہ گئی کیونکہ مینا بازار تو کہتے ہی اُس بازار کو ہیں جو عورتیں عورتوں کے لیے لگائیں۔ لیکن جب مَیں اُس مینا بازار میں گئی تو وہاں کا باوا آدم ہی نرالا تھا۔ وہاں کی ہر چیز کو اپنی توقعات کے بالکل برعکس پایا۔ تقریباً سبھی دوکانوں اور اسٹالوں کو مرد ہی چلا رہے تھے۔ اس احاطہ میں سب سے نمایاں چھ پولیس آفیسر تھے جو اس نمائش کے وسط میں براجمان تھے۔ اس سے بھی زیادہ مضحکہ انگیز وہ جارجی۔ ایم۔ پی کے آدمی تھے جو ہر طرف پھر رہے تھے۔ تقریباً سو آدمی مختلف ٹولیوں میں ہر طرف گشت لگا رہے تھے۔"

بیگم بشیر سیالکوٹ

(سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور ۱۹- دسمبر ۱۹۴۹ء)

بیرونی ممالک میں ہماری خواتین کا تعارف

آزادیٔ نسواں کی یہ تحریک اب اندرونِ ملک ہی تک محدود نہیں رہی ہے بلکہ اس کی منادی دوسرے ممالک میں بھی شروع ہو گئی ہے۔ آل پاکستان، ویمنز ایسوسی ایشن کی ششماہی رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی خواتین نے بیرونی ممالک سے اپنے تعلقات جس قدر وسیع کر لیے ہیں خود حکومتِ پاکستان بھی اپنے تعلقات اب تک اس قدر وسیع نہیں کر سکی ہے۔ یہاں تک کہ بعض وہ اخبارات بھی جو اس تحریک کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش ہیں۔ اس وسعتِ تعلقات کو دیکھ کر گھبرا اٹھے ہیں اور وہ عورتوں کو مشورہ دینے لگے ہیں کہ وہ اپنی سرگرمیاں اندرونِ ملک ہی تک محدود رکھیں تو زیادہ اچھا ہے۔ بیرونی ممالک میں ہماری اسلامی حکومت کی خواتین جس پہلو سے متعارف ہو رہی ہیں اس کو واضح کرنے کے لیے ہم یہاں اس وفد کی کارگذاری پیش کرتے ہیں جو آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن کی طرف سے امریکہ میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی نمائش

میں شرکت کے لیے گیا تھا۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ جہاں ہر مذہب و ملت کی خواتین نے اپنی اپنی تہذیب و روایات کی نمائش کی وہاں ایک خالص اسلامی حکومت کی نمائندہ خواتین نے اسلامی تہذیب و روایات کے کیا نمونے دکھائے۔

"بین الاقوامی زنانہ نمائش کا چھبیسواں سالانہ اجلاس جو ۷۔ نومبر ۱۹۴۹ء کو نیویارک میں شروع ہوا۔ اس میں پاکستان کی نمائندگی بیگم حسین ملک (قائدِ وفد) بیگم نذیر احمد اور مسز برانڈٹ نے کی۔۔۔۔۔۔۔ شام کو پاکستانی وفد (بیگمات مذکورہ) نے حاضرین کی تواضع کے لیے ایک دلچسپ پروگرام پیش کیا۔۔۔۔ بیگم حسین ملک نے، جنھوں نے اس پروگرام کا افتتاح کیا، پاکستانی عورتوں کی طرف سے امریکن عورتوں کو خیر سگالی کا پیغام پہنچایا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انھوں نے فرمایا کہ پاکستانی عورتوں کو تعمیرِ ملّی کے کاموں میں عملاً شریک کرنے کے لیے اُن کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔۔۔۔۔ پردہ کے نفاذ سے عورتوں کو ان کے سیاسی اور شہری حقوق سے محروم کرنا مقصود نہیں تھا[۱]۔ بہر حال اب پردہ پاکستان سے بڑی تیزی سے رخصت ہو رہا ہے۔ بیگم حسین ملک کے بعد بیگم نذیر احمد نے حاضرین کو پاکستانی گیت سے محظوظ کیا۔ پروگرام کے آخر میں مشہورِ عالم رقّاصہ زہرہ اور اُس کے ساتھی نے مغلوں کا رقص پیش کیا۔[۲]

اس پروگرام میں ہمارے سفارت خانہ کے افسروں، ان کے متعلّقین، اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں شریک ہونے والے پاکستانی وفد کے اراکین اور امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کی ایک کثیر تعداد شریک تھی۔"

(۲۳ اور ۲۴۔ نومبر ۱۹۴۹ء 'ڈان' کراچی)

---

[۱] بیگم صاحبہ نے یہ اپالوجی و معذرت، غالباً اسلام کی طرف سے پیش کی ہے جس کے لیے وہ مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کی مستحق ہیں۔

[۲] انصاف کے ساتھ فرمائیے کہ اگر خدانخواستہ پاکستان نہ قائم ہوا ہوتا تو اس عظیم الشان اسلامی ورثہ کا محافظ کون ہوتا اور امریکہ جیسے دُور دراز کفرستان میں آج اس کا مظاہرہ کر کے اسلام کا بول بالا کون کرتا!!

پاکستانی خواتین کی ترقی پر نیویارک کے کرسچین سائنس مانیٹر (CHRISTIAN SCIENCE MONITOR) میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جو ڈان، کراچی نے اپنی ۲۹ - دسمبر ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں نقل کیا ہے۔ ہم اس کا ضروری اقتباس یہاں پیش کرتے ہیں۔ اس سے بھی اندازہ ہو سکے گا کہ باہر کی دنیا میں پاکستانی خواتین کے حال اور مستقبل کو کس نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے اور کس عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔

"نیویارک ۲۸ - دسمبر، پاکستانی خواتین برابر ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھ رہی ہیں.. .... ۱۵ - اگست ۱۹۴۷ء کو، یعنی پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی آزاد قومی زندگی کی لہر حرم کے اندرونی گوشوں تک پہنچ گئی۔ بہت سی (پردہ نشین) عورتوں نے بھی آزادی کا مطالبہ کیا اور یک لخت ان میں سے سینکڑوں دُبلے زرد ڈھانچے لیے ہوئے پناہ گزینوں کی مدد کے لیے گھروں سے باہر نکل آئیں...... بیگم رعنا لیاقت علی خاں ——— وزیر اعظم پاکستان کی نرم و نازک، زندہ دل، حسین[1] بیوی ——— نہایت ہوشیاری کے ساتھ پردہ کو سرے سے اُڑا دینے کے خواہاں اور اُس کے دقیانوسی حامی گروہوں کے بین بین راستہ اختیار کر رہی ہیں....... حال ہی میں صوبہ سرحد میں ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ پاکستانی گورنر کو خوش آمدید کہنے کے لیے

---

[1] قرآن نے جن خواتین کو مسلمان عورتوں کی رہنمائی پر مقرر کیا ان کے اوصاف سورۂ احزاب میں یہ گنائے ہیں :- مُسلمات (خدا کی فرمانبردار)، مومنات (خدا پر ایمان رکھنے والیاں)، قانتات (مطیع) صادقات (راست باز)، صابرات (ثابت قدم)، خاشعات (خداترس)، متصدقات (صدقہ دینے والیاں)، صائمات (روزہ رکھنے والیاں)، حافظات (اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والیاں) ذاکرات (اللہ کو یاد رکھنے والیاں)، (احزاب : ۳۵) لیکن یہ اوصاف تو بقول نامہ نگار دقیانوسی قیادت کے ہیں۔ نئی قیادت جن محاسن سے مسلح ہو کر میدان میں آئی ہے وہ نرمی، نزاکت، زندہ دلی اور حُسن ہے ؎ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا!

سینکڑوں پٹھان عورتیں گھروں سے باہر نکل آئیں"۔

(''ڈان'' کراچی - مورخہ ۲۹- دسمبر ۱۹۴۹ء)

شاہ ایران کے ساتھ جو ایرانی اخبار نویس پاکستان آئے تھے انہوں نے واپس جاکر اپنے اخبارات میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے ان کا ایک نمونہ مسٹر ممتاز احمد خاں صاحب جو شاہ کے ہمراہ طہران گئے تھے، کے الفاظ میں ملاحظہ ہو :-

ممتاز احمد خاں صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"...... ایرانی اخبار نویسوں نے جو شاہِ ایران کے ساتھ پاکستان آئے تھے، واپس جاکر پاکستان پر ہر پہلو سے بہت ہی ہوش رُبا مضامین لکھے اور اِن میں پاکستان کی فوج سے لے کر ساڑھیوں اور غراروں تک ہر شے کا ذکر کیا۔

ہفتہ وار اخبار "ترقی" کے ایڈیٹر آقائے لطف اللہ صاحب نے لاہور پر ایک مضمون لکھا جس میں پاکستانی عورتوں کی دولتِ حُسن کو، جو ملک کے ہر حصے سے اس خوبصورت رُومانی شہر میں جمع کی گئی تھی، بہت نمایاں کر کے بیان کیا۔ اپنے اس مضمون میں اُنہوں نے "حُسنِ نمکینِ ہندی" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ایران کے قدیم شاعروں مصنفوں اور سیاحوں نے ہندی لڑکیوں کی غزال چشمی کے جو نقشے کھینچے تھے آج کا لاہور اِس کا ہُو بہُو نقشہ پیش کرتا ہے ....

یہ مضامین دکانوں، ہوٹلوں، بازاروں اور گھروں میں ہر جگہ خوب مزے لے لے کر اور شوق سے پڑھے گئے۔

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۴- اپریل ۱۹۵۰ء)

زہر آلود تحریریں

اس تحریک کو جلدی سے جلدی کامیاب بنا دینے کے لیے جس قسم کا لٹریچر دن رات فراہم ہو رہا ہے اور وہ جس طرح بے روک ٹوک اخبارات و رسائل کے ذریعہ سے گھر گھر پہنچ رہا ہے۔ افسوس ہے کہ اس کی پوری تفصیل پیش کرنا سرِدست میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ تاہم چند مراسلات کے نمونے نذرِ ناظرین ہیں۔ ان سے آپ اندازہ فرما سکیں گے

کہ ہماری اس اسلامی حکومت کے ارکان، جو اپنی ذات پر معمولی سے معمولی تنقید بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اگر کوئی اخبار یا رسالہ بھول کر بھی ان کی شان میں ایک حرف نکتہ چینی کی قسم کا لکھ دیتا ہے تو فوراً اچراغ پا ہو جاتے ہیں اور اس "غدّار" کی سیفٹی ایکٹ سے خبر لے ڈالتے ہیں وہ کتنے روادار اور فیّاض و حریّت نواز واقع ہوئے ہیں۔ اس قسم کی تحریروں کے لیے جو ان کے اس محبوب مقصد "آزادیٔ نسواں" کو تقویّت پہنچائیں اگرچہ ان میں خاندانِ رسالت اور صحابہ و صحابیات کی کھلی ہوئی توہین کی گئی ہو، اگرچہ ان میں ہمارے تمام اسلاف صالحین کو بد اخلاق ٹھہرایا گیا ہو، اور اگرچہ ان کے ایک ایک حرف سے اسلام کے خلاف غصّہ اور نفرت کی بدبو پھوٹ رہی ہو چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

راولپنڈی کے کوئی بزرگ کیپٹن ظفراللہ پوستی ہیں، ان کا ایک مراسلہ جو سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کی ۲۷۔ اپریل ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے ملاحظہ ہو:-

"جنابِ من!

مِس جینن نے میرے خط کا جو جواب دیا ہے اس نے اس قیدی کی یاد تازہ کر دی ہے جو مدّتوں قید رہنے کی وجہ سے اُس کوٹھڑی ہی سے محبّت کرنے لگ جاتا ہے جس میں وہ بند رکھا گیا ہے۔

ہاں میں جانتا ہوں کہ پیغمبرؐ کی بیٹی فاطمہؓ پردہ کرتی تھیں مگر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ قائدِ اعظم کی بہن فاطمہ ایسا نہیں کرتی اور یہی (مؤخر الذکر فاطمہ کا) طریقہ صحیح ہے۔ کیونکہ ہمارا ملک دوسرا ہے۔ ہماری دنیا دوسری ہے، ہمارے حالات

۱؎ یہ تقابل ملاحظہ ہو مس فاطمہ جناح کا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو تمام خواتینِ جنّت کی سردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادی ہیں اور جن کی زندگی تمام خواتینِ امّت کے لیے اُسوہ اور جن کی محبّت لازمۂ ایمان قرار دی گئی ہے۔ پھر یہ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس تقابل میں مس فاطمہ جناح کے طریقِ زندگی کو اہلِ بیتِ رسالت کے اُسوۂ حسنہ پر کھلم کھلا ترجیح دی گئی ہے۔ لیکن ہماری اسلامی حکومت کے ائمہ میں سے کسی کی (باقی اگلے صفحہ پہ دیکھیں)

۱۷ [دوسرے ہیں اور یہ سب کچھ اس سے مختلف ہے جو تیرہ سو سال پہلے تھا۔"
یہ بالکل بے تکے پن سے ہر معاملہ میں قدیم زمانہ سے جواز تلاش کرنے کا رجحان
صرف احمقانہ ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے۔ اس کا نتیجہ سماجی جمود اور ذہنی پستی۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) غیرت بھی اس پہ حرکت میں نہ آئی۔ پچھلے دنوں کسی اخبار کی محض اس اطلاع پر کہ امریکہ کی کسی فلم کمپنی کی کسی فلم میں کسی نوعیت سے حضرت فاطمہؓ کا ذکر گیا ہے پاکستان کے مسلمانوں کی غیرت بھڑک اٹھی تھی حالانکہ وہ محض افواہ ہی افواہ تھی اور یہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک شخص سیدۂ پاک کی کھلی ہوئی توہین و تحقیر کرتا ہے لیکن کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ ہمارے بعض بزرگ مسلمانوں کی اس ادا پر بھی قربان ہوتے ہیں کہ وہ خود اپنے بزرگوں اور ائمۂ دین کی جا ہے کتنی توہین کر ڈالیں مگر کوئی دوسرا ان کے خلاف زبان کھولے تو اس کی جان اور اپنی جان ایک کر کے رہیں۔

۱۷ جب سب کچھ دوسرا ہے تو صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہمارا دین بھی دوسرا ہے اسلام کا انکار کر کے تم جس وادی میں چاہو بھٹکو اور جس کو چاہو اپنا امام اور ہادی بناؤ کسی مسلمان کو تم سے بحث نہیں ہو گی لیکن مسلمان کہلا کے تمہیں ان کی توہین کرنے کا کیا حق ہے جن کی محبت اور جن کی پیروی اُمت کے لیے جزوِ ایمان اور ذریعۂ نجات قرار دی گئی ہے ؟

۱۷ آپ کچھ سمجھے کہ یہ ذاتِ شریف کس بات کو "احمقانہ" قرار دے رہے ہیں ؟ اس بات کو کہ مسلمان ہر معاملہ میں رسول اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ سے سندِ جواز ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ ہر امر میں خلافتِ راشدہ اور سلف صالحین کے تعامل کی دلیل تلاش کریں، ہر قدم اُٹھاتے وقت اس بات کی جستجو کریں کہ پیغمبرؐ اور صحابہ کی زندگی کی روشنی میں یہ قدم اٹھانا صحیح ہے یا غلط ؟ یہ رُجحان ان حضرت کے نزدیک "احمقانہ" ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہ مراسلہ اس اخبار میں شائع ہوا ہے جو ۱۹۴۹ء کے وسط میں سیفٹی ایکٹ کے تحت تین مہینے کے لیے اس جرم میں بند کیا گیا کہ اس نے کشمیر کے متعلق ایک ایسی افواہ چھاپ دی تھی جس سے ہمارے وزیر اعظم صاحب کے متعلق عوام میں غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن اسی اخبار نے جب مسلمانوں کے اتباعِ صحابہ و رسول کے فعل کو احمقانہ اور خطرناک قرار دیا تو کسی کو اُس کی ذرّہ برابر پروا نہ ہوئی۔

ہو گا۔ بہن جبین، سنو! آپ کی جو بہنیں قید سے رہائی پا چکی ہیں ان پر تتلیوں، اور بلبلوں کی پھبتی چست کر کے اپنے دل کو اطمینان دلانے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے دل کے اندرونی گوشوں میں تم جانتی ہو کہ تتلیاں اڑ سکتی ہیں اور بلبلیں گا سکتی ہیں مگر تم پنجرے میں بند زرد چڑیا کی مانند رہائی یافتہ ساتھیوں پر حسرت بھری نظر سے تکتی ہوئی محض چوں چوں ہی کر سکتی ہو۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۷۔ اپریل ۱۹۴۹ء)

ایک صاحبِ احساس صاحبہ کا ایک مراسلہ ملاحظہ ہو جو مذکورہ بالا اخبار کی ۳۰ر اپریل ۱۹۴۹ء کی اشاعت کی زینت ہے۔ وہ اخبار کے ایڈیٹر کو مخاطب کر کے رقم طراز ہیں۔

"جنابِ من!

اس وقت اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ روزانہ زندگی کے مسائل کو حقیقت پسندانہ طریق پر حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ پردہ کے معنی چہرے کو اس طرح چھپانے کے نہیں ہیں جس طرح ہمارے ہاں چھپایا جاتا ہے۔ اصل شے اخلاقی طرزِ عمل ہے ہم عورتوں پر پردہ ان لوگوں نے ٹھونسا تھا جن کی اخلاقی حالت کافی بلند نہیں تھی۔[1] انہوں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے اخلاق کو بآسانی بلند نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے عورتوں کو اس ظالمانہ طریقہ سے قید کر دینے کی راہ نکال لی اور وہ سمجھے کہ (اس خرابی پر قابو پانے کا) یہی ٹھیک طریقہ ہے .... اس میں شک نہیں کہ اگر ہم (عورتیں) بھی مردوں کی طرح باہر پھرنے لگیں تو شروع شروع میں ہمیں کچھ تکلیف ہو گی مگر یہ صرف عارضی شے ہو گی۔ جب ہم سب اس کے عادی ہو جائیں گے تو کوئی بھی ضرورت سے زیادہ ہماری طرف متوجہ نہیں[2] ہو گا۔ ہمارے دیہات میں کوئی پردہ نہیں ہے۔

ا؎ یہ اخلاقی پستی کا الزام "صاحبِ احساس" صاحبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بلکہ نعوذ باللہ خود اللہ میاں پر بھی عائد کر رہی ہیں کیونکہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ پردہ سے متعلق تمام جزئیات و تفصیلات خود قرآنِ پاک اور حدیث شریف میں بیان ہوئی ہیں اور ہمارے ائمہ و فقہا میں سے کسی نے بھی اُس "تبرُّج" کو جائز نہیں قرار دیا ہے جس کی حمایت میں موصوفہ تقریر فرما رہی ہیں۔

۲؎ اگلے صفحہ پر دیکھیں

عورتیں آزادانہ پھرتی ہیں اور مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا احترام کیا جاتا ہے اور وہ ٹھیک طرح سے رہتی ہیں۔

کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ شہروں میں بھی یہی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے؟ شہری لوگ تو بہرحال نسبتاً زیادہ ہی پڑھے لکھے اور زیادہ ذمّہ داری کا احساس رکھنے والے ہوتے ہیں"۔

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور، مورخہ ۳۰۔ اپریل ۱۹۴۹ء)

اس تحریک کو غذا اور قوّت پہنچانے کے لیے اسلامی تاریخ بالخصوص صدرِ اوّل کی تاریخ کو جس رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ پاکستان ٹائمز لاہور کے میگزین سیکشن مورخہ ۴۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء میں ایک بزرگ اپنے ایک مضمون کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :۔

"پہلا ادبی مرکز جس کا ہماری موجودہ تاریخ پتہ چلا سکی ہے اس کے قائم کرنے کا فخر حضرت سکینہ کو حاصل ہوا جو سیّد الشہداء حضرت امام حسینؓ کی صاحبزادی اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں۔ مدینہ میں ان کا خوبصورت محل وقت کے تمام بڑے بڑے بذلہ سنجوں، گویّوں، شاعروں اور اہلِ علم کا مرکز تھا عین اس زمانہ میں جبکہ بہادرانِ اسلام کی تلواریں اسپین اور سندھ کو زیرنگیں کرنے میں مصروف تھیں، یہ نامور خاتون وقت کے ذہین طبقہ کے دلوں اور دماغوں

۲ے (حاشیہ صفحہ گزشتہ) جی ہاں، بالکل اسی طرح جس طرح ننگوں کے کلب میں اوّل اوّل کپڑے اتارتے تو بڑی شرم محسوس ہوتی ہے مگر کچھ مدّت کے بعد کسی مرد و عورت کو یہ احساس تک نہیں رہتا کہ برہنگی کوئی شرمناک چیز ہے۔

اے "صاحبِ احساس" خاتون اور انکے ہم مشرب لوگوں کو شاید معلوم نہیں ہے کہ اگر ہمارے دیہات میں کوئی عورت ان آزاد منش خواتین کے سے بناؤ سنگار کرکے ان کی سی چال چلتی ہوئی باہر پھرے اور مردوں کے سامنے اُن کی طرح خلا ملا رکھے تو شاید اسے گاؤں کے غیور لوگ زندہ ہی نہ رہنے دیں۔

پر حکمرانی کر رہی تھیں۔ یہ ایام اسلامی فتوحات کے ایام بہار تھے۔ ایک طرف ملک کے بعد ملک فتح ہو رہے تھے، دوسری طرف اجتماعی اور تہذیبی دائروں کے اندر بھی فتح کے بعد فتح حاصل ہو رہی تھی۔

حضرت سکینہ فیشن میں ہماری سب سے بڑی اور سب سے پہلی لیڈر ہیں وقت کی تمام مجلسی خواتین اُن کے طُرّہ کی نقل کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور اس کو طُرّۂ سکینہ کہا جاتا تھا۔ وہ موسیقی میں خاص دلچسپی لیتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک غلام مُریج نامی کو اس زمانہ کے شہرۂ آفاق گوئیے طویس سے تربیت دلائی تھی۔

اس ادبی مرکز کے جواب میں ایک دوسرا ادبی مرکز حجاز کے مشہور صحت افزا مقام طائف میں قائم تھا۔ اس مرکز کی رُوحِ رواں عائشہ تھیں جو مشہور صحابی حضرت طلحہ رضؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ان (عائشہ) کی ماں حضرت ابوبکر رضؓ کی بیٹی اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں جن کے نام ہی پر بھانجی کا یہ نام رکھا گیا تھا۔

اُن کی کھُلے بندوں پبلک میں آمد و شد حضرت سکینہ سے بھی زیادہ نمایاں اور جاذبِ نظر تھی۔ ایک مشہور قدیم مؤرّخ نے لکھا ہے کہ اُن کے دوسرے شوہر ابنِ زبیر نے جب اُن کی اس بات پر اعتراض کیا کہ وہ کبھی چہرے پر نقاب نہیں ڈالتی ہیں تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ: "جب خدائے جمیل نے مجھے اپنے فضل سے حسن و جمال بخشا ہے تو میں اُس کے حُسنِ صنعت کو لوگوں کی نگاہوں سے کیوں چھپاؤں، لوگ اس طرح خدا کی صنّاعی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں[1]۔"

(پاکستان ٹائمز میگزین سیکشن، مورخہ ۴۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

---

[1] یہ پوری بکواس بلا حوالہ ہے۔ حدیث یا تاریخ کی کسی کتاب کا نام اشارۃً بھی نہیں دیا گیا ہے جس سے پتہ چل سکے کہ ان روایات کا ماخذ کیا ہے اور ان کے تاریخی استناد کا کیا پایہ ہے۔ آگے ہم اس معاملہ کی اصل حقیقت واضح کریں گے۔

یہ اہلِ بیتِ رسالت اور خاندانِ صدیقِ اکبرؓ کی بہو بیٹیوں کی تصویر کھینچی گئی ہے اور مضمون نگار نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہی اس زمانہ کا عام رنگ تھا۔ اسی طرح عورتیں کھلے بندوں اپنے حسن وجمال کی نمائش کرتی پھرتی تھیں تاکہ لوگ خدا کی صنعت کاری کی نشانیاں دیکھ سکیں، جگہ جگہ صحت افزا مقاموں پر نازنینانِ وقت لٹریری سیلون بنا کے بیٹھتی تھیں اور بھانڈ اور گویّے اور شعراء اُن کے اردگرد جمع رہتے تھے۔ وہ فیشن کے نئے نئے نمونے ایجاد کرتی تھیں اور وہ نمونے مقابلہ کے بازاروں میں آتے تھے اور ترجیح و انتخاب کے بعد تمام شہروں میں پھیلتے تھے اور دلدادگانِ حسن و ادا اُن کو قبول کرتے تھے۔

اسلامی تاریخ کا وہ دَورِ مبارک جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیر القرون سے تعبیر فرمایا ہے ان مضمون نگار صاحب کے نزدیک نسوانی ترقّی کی ان تمام "نورانیتوں" سے منوّر تھا، لیکن بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کو اپنے آپ پر یا اپنی عورتوں پر اعتماد نہیں رہا اور انہوں نے عورتوں کی اس ترقّی کو پیچھے دھکیل دیا۔ چنانچہ اسی مضمون میں مضمون نگار صاحب ارشاد فرماتے ہیں :-

"یہ تو بعد کے عباسیوں کے زمانہ میں جب انحطاط شروع ہوا تو عورتوں کی ترقّی کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اس زمانہ میں بے حیائی اتنی بڑھ گئی تھی کہ جن لوگوں کو اپنے آپ پر یا اپنی عورتوں پر اعتماد باقی نہ رہا انہوں نے عورتوں کو چہار دیواری کے اندر بند کر دیا۔"

اس قسم کی نادر تحقیقات جو یہ حضرات فرما رہے ہیں اس بات کی غمّازی کرتی ہیں کہ ان کی نگاہوں میں جلال وجمال تو سمایا ہوا ہے ہالی وُڈ کے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا، اور وہی سوسائٹی جو ہالی وُڈ میں قائم ہے یہ حضرات پاکستان میں بھی قائم کرنے کے متمنّی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہالی وُڈ کے نام سے ہالی وُڈ کی تہذیب کو یہاں مقبول بنانا ممکن نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس پر مدینہ اور طائف کے لیبل لگانے شروع کر دیئے اور یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہالی وُڈ کی ساری تہذیب تو در حقیقت سرقہ ہے ہماری اس اسلامی تہذیب کا جو خیر القرون

میں مکہ و مدینہ اور طائف میں رائج تھی لیکن بعد میں عباسیوں کے دورِ زوال میں آ کے اس تہذیب کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔

جن پاکیزہ خاندانوں کی عفیفات کی یہ تصویریہ دکھائی گئی ہے اُن کی تصویر ذرا ایک نظر اس رنگ میں بھی ملاحظہ فرمائیے جس رنگ میں قرآن نے ان کو نمایاں کیا ہے اس سے اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا کہ یہ تصویر کتنی مختلف ہے اس تصویر سے جو یہ حضرات پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اہلِ بیت کو مخاطب کر کے یہ تعلیم دی گئی ہے۔

"وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھو، اور گذرے ہوئے زمانۂ جاہلیت کے طریقہ پر اپنی نمائش نہ کرتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اس حکم سے اللہ یہ چاہتا ہے اے رسول کے گھر والو کہ تم سے ناپاکی کو دُور کرے اور تم کو پاکیزہ بنائے جیسا کہ چاہیئے۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور دانائی کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کا چرچا کرو۔ اللہ باریک بیں اور خبر رکھنے والا ہے۔ فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، ایمان رکھنے والے مرد اور ایمان رکھنے والی عورتیں، یکسو ہونے والے مرد اور یکسو ہونے والی عورتیں، راستباز مرد اور راستباز عورتیں ثابت قدم مرد اور ثابت قدم عورتیں، خدا ترس مرد اور خدا ترس عورتیں صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد رکھنے والے مرد اور اللہ کو بہت زیادہ یاد رکھنے والی عورتیں —— ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے"۔ (۳۳-۳۵-احزاب)

یہ ہدایات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو مخاطب کر کے دی گئی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال میں حضرتِ فاطمہ زہرا رضؓ اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا جو درجہ و مرتبہ ہے اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مذکورہ ہدایات

واوصاف کا کوئی بہترین نمونہ اگر ہو سکتا تھا تو یہی خواتین ہو سکتی تھیں اور اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ان اوصاف کا بہترین عملی نمونہ تھیں۔ پھر یہ بات کس قدر بعید از قیاس ہے کہ جن پاکیزہ خواتین کی زندگیاں اس قرآنی سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھیں انہی کی پوتیاں اور بھانجیاں ایسی اٹھیں کہ انہوں نے مدینہ و طائف میں لٹریری سیلون۔ (LITERERARY-SALOONS) بنا بنا کے اپنے ارد گرد گویّوں اور بذلہ سنجوں کے مجمعے اکٹھے کرنے شروع کر دیئے اور اپنے حسن و جمال کی نمائش کے لیے اسی تبرّج جاہلیّت کو اختیار کر لیا جس کی ان کی بزرگ دادیوں اور خالاؤں کو قرآن مجید میں ایسی صراحت کے ساتھ ممانعت کی گئی تھی۔

لیکن ہم تھوڑی دیر کے لیے دل پر انتہائی جبر کر کے فرض کر لیتے ہیں کہ ایسا ہوا اور حضرت سکینہ نے اپنے عظیم الشّان باپ اور اپنی عظیم المرتبہ دادی اور عائشہ نے اپنے صالح باپ اور اپنے جلیل القدر نانا اور اپنی جلیل المرتبہ خالہ کی پسندیدہ اور اسلامی روشیں ترک کر کے وہی آزادیاں اور بے قیدیاں اختیار کر لیں جن کا مضمون نگار صاحب نے ذکر فرمایا ہے مگر سوال یہ ہے کہ "زوال اور انحطاط" کا نمونہ ان میں سے کون سا طریقہ ہے؟ وہ جس کا ذکر قرآن نے فرمایا ہے اور جس پر حضرت فاطمہ زہرا رضؓ اور حضرت عائشہ صدّیقہ تھیں یا وہ جس کو مضمون نگار صاحب نے حضرت سکینہ بنتِ حسین رضؓ اور عائشہ بنتِ طلحہ رضؓ کی طرف منسوب کیا ہے؟

ستم پر ستم یہ ہے کہ یہ حضرات اتنی بڑی تہمتیں ایسے پاکیزہ خاندانوں کی بہوؤں بیٹیوں پر لگا جاتے ہیں اور یہ کچھ نہیں بتاتے کہ یہ بات وہ کس سند کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں تاکہ کوئی شخص اس کی لغویت اگر واضح کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ شہیدِ کربلا کی صاحبزادی، فاطمہ زہرا رضؓ کی پوتی، صدّیقِ اکبر رضؓ کی نواسی اور اُمّ المومنین عائشہ صدّیقہ کی بھانجی کی حرمت ان کا مرؤں صاحبان کی نظر میں بس اس قدر ہے کہ "ایک قدیم مؤرخ لکھتا ہے" کی سند پر جو ہفوات چاہیے اُن کی شان میں بکتے چلے جائیے۔ معلوم نہیں یہ قدیم مؤرّخ کون ہے؟ کس دَور کا آدمی ہے؟ اس کا دین و مذہب کیا ہے؟ اور کن ذرائع معلومات کی بنا پر یہ باتیں وہ روایت کر رہا ہے؟ محض قدیم ہونا یا مؤرّخ ہونا تو اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ

اُس نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر ایمان لے آئے۔ قدیم وجدید دونوں ہی گروہوں میں ہم ایسے بہت سے مؤرخوں سے واقف ہیں جن کی زندگیوں کا مقصد ہی یہی تھا اور ہے کہ انبیاء و صالحین اور ان کے پاکیزہ گھرانوں کی زندگیوں کو بگاڑ کے پیش کریں تاکہ اس طرح اپنے ان آقاؤں کی عیاشیوں اور رنگ رلیوں کے لیے شرعی دلائل فراہم کر سکیں جن کا وہ نمک کھاتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ 'پاکستان ٹائمز' کے مضمون نگار صاحب نے اس گروہ کے کن "قدیم مؤرخ" کی خوشہ چینی سے تحقیقات کے یہ نوادر فراہم فرمائے ہیں۔

حوالہ کی غیر موجودگی میں مذکورہ بالا بیانات کی تردید یا تصدیق کا معاملہ تو مشکل ہے لیکن عام ناظرین کی واقفیت کے لیے یہ بتا دینا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہ ہمارے یہاں ادب و تاریخ کی بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو زمانۂ انحطاط کے بگڑے ہوئے خلفاء اور امراء نے اپنے نمک خواروں سے اس لیے لکھوائی تھیں کہ ان کی تفریحِ طبع کا سامان مہیا ہو سکے۔ ان کتابوں میں گپوں اور قصّوں، عشقیہ حکایتوں اور فسانوں، راگوں اور گیتوں کی لپیٹ میں صحابہ وصحابیات یا ان کے وابستگان سے متعلق ایسے واقعات بھی جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے ان فاسق امراء کی رنگ رلیوں کے لیے دلیل ہاتھ آئے۔ ہمارے عربی لٹریچر میں کتاب الاغانی اس طرز کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں عربی گیتوں اور راگوں، گویّوں اور گانے والیوں کے ذکر کے سلسلہ میں بہت سے ایسے واقعات بھی ضمناً آتے ہیں جن کا مقصد پڑھنے والے کے ذہن پر یہ اثر ڈالنا ہوتا ہے کہ یہ رنگینیاں کچھ اسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ رسول اور صحابہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح موجود تھیں جس طرح آج موجود ہیں۔ اس قسم کے جتنے واقعات ان کتابوں میں ملتے ہیں بیشتر یا تو محض گپ ہیں یا ان میں صداقت کا کوئی ذرہ ہے تو اس کی نوعیت بس یہ ہے کہ عام فطری کمزوری کے تحت ذرا سی کوئی بات کسی سے صادر ہوئی ہے اور اس کو نمک مرچ لگا کر ایک پوری یوسف زلیخا تیار کر لی گئی ہے۔ کوئی صاحب نقد اور صاحبِ علم تو اس طرز کی کتابوں کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن جو لوگ مکھیوں کی طبیعت رکھتے ہیں اور بیشتر گندی ہی چیزوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں وہ اس قسم کی کتابوں سے بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ

ؔلہ (حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں نے اس اتہام کے ماخذ کے متعلق یہ رائے عض اپنے ذوق کی بنا پر قائم کی تھی اور چونکہ ملتان جیل میں جہاں میں نے یہ کتاب لکھی ہے، اس معاملہ کی تحقیق کے لیے ضروری کتابیں میسّر نہیں تھیں اس وجہ سے پورے اعتماد کے ساتھ اس کی تردید یا تصدیق میرے لیے مشکل تھی۔ لیکن حُسنِ اتفاق سے ایک روز جیل کی لائبریری کی فہرست الٹتے پلٹتے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی نظر ایک کتاب پر پڑ گئی جس کا نام تھا "سکینہ بنتِ حُسینؓ" کتاب نکلوا کر دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ اُس کے مصنّف مولوی عبدالحلیم شررؔ لکھنوی ہیں۔ کتاب کی نوعیّت کا اندازہ تو شررؔ صاحب کے نام ہی سے ہو گیا تھا لیکن مزید اطمینان کے لیے کتاب پڑھی تو اس کے ماخذ کے متعلّق میرا گمان صحیح نکلا۔ شررؔ صاحب نے اپنے مذاق کے مطابق یہ ناولانہ مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے اگرچہ بیان کردہ واقعات کے حوالے نہیں دیئے ہیں اور نہ ایک ناولانہ مضمون میں اس کی ضرورت تھی لیکن بحیثیتِ مجموعی کتاب کے ماخذ کا پتہ دے دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اکثر و بیشتر حصّہ کتاب الاغانی سے ماخوذ ہے۔

یہ کتاب ہمارے بزرگ اسلاف کی رندی کا اشتہار دینے کے لیے لکھی گئی ہے تاکہ لوگوں کو رندی و ہوسناکی کے لیے دلیل اور سند ہاتھ آئے۔ چنانچہ مصنّف نے اپنا مقصد کتاب کے شروع میں خود ہی ظاہر کر دیا ہے، وہ فرماتے ہیں :۔

"ہمارے قدیم مؤرّخین چونکہ عموماً لوگوں کے ثقہ اور پارسا ہونے ہی کی فکر میں زیادہ رہتے ہیں لہٰذا ہم افسوس کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں ... ."

مصنّف کے مذاق اور رجحان کا اندازہ اس کے مندرجۂ ذیل الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو اُس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے خلیفۂ راشد کے متعلّق لکھے ہیں :۔

"عمر بن عبدالعزیز کو جو تمام خلفائے اسلام میں ملاؤں اور خشک مزاج زاہدوں کی شان رکھتا تھا اس کو (حضرت سکینہ کے جُوڑے کی عام تقلید کو) روکنے کے لیے اپنی شاہی قوّت سے کام لینا پڑا۔ وہ ہاتھ میں دُرّے لیے پھرتا اور جس کے سر پر جمّۂ سکینہ دیکھتا دُرّے لگاتا۔"

شررؔ صاحب نے کتاب الاغانی وغیرہ جیسی کتابوں سے اخذ کر کے اس قسم کے بہت سے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

کتابیں جس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص اسی مقصد کے لیے ان کی طرف رجوع کرے تو ہر چند ہمارے نزدیک یہ ایک بہت بڑی بے ذوقی ہے تاہم اس کی آزادیٔ انتخاب کا حق تسلیم کر کے ہم اس پر صبر کر لیں گے۔ لیکن یہ تو بڑا ظلم ہے کہ حدیث اور رجال اور تاریخ و سیرت کی مستند کتابوں کو چھوڑ کر اب اس طرح کی خرافات میں سے جھوٹی سچی روائتیں جمع کی جائیں اور دنیا کو یقین دلایا جائے کہ دیکھو یہ ہیں اسلامی تہذیب اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت کے اصل نمونے۔ یہ حرکت بالکل اسی طرح کی ہے جیسے کوئی شخص اسرائیلی خرافات میں سے وہ سارا مواد جمع کرے جس میں خدا کے پیغمبروں پر جھوٹ زنا، چوری، شراب خوری اور طرح طرح کی بد اخلاقیوں کی تہمتیں لگائی گئی ہیں اور پھر کہے کہ دیکھو، یہ ہیں وہ اصل کام جن کے لیے خدا نے اپنے پیغمبر دنیا میں بھیجے تھے۔

آغا خاں کی رہنمائی

یہ سطریں لکھ ہی رہا تھا کہ 'ڈان' میں مسلمانوں کے قدیم ناصح مشفق جناب سر آغا خاں بالقابہ کی وہ تقریر نظر سے گذری جو انہوں نے ۸۔ فروری ۱۹۵۰ء کو مسٹر زاہد حسین گورنر اسٹیٹ بینک کے مکان پر بین الاقوامی اُمور سے متعلّق ادارہ کے اہتمام میں کراچی کے اونچے طبقہ کے ایک اجتماع کو مخاطب کر کے مرشدانہ انداز میں فرمائی ہے۔ تقریر کا موضوع تھا "مسلمان سلطنتوں کا عروج و زوال اور ان کا مستقبل"۔ اس تقریر میں آپ نے تاریخ کا تجزیہ اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے اربابِ کار کو جو قیمتی مشورے دیئے ہیں ان میں سب سے زیادہ زرّیں مشورہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے :-

"یقین کیجیے کہ حقیقی اسلام کبھی بھی جامد نہیں تھا۔ یہ ہمیشہ ایک متحرک شے رہا ہے۔ بنو امیّہ کے عظیم الشّان دَور میں، جبکہ اس کی بنیادیں گہرائی اور وسعت کے ساتھ رکھی گئیں۔ یہ متحرک نہایت سادہ اور واضح تھا ...... اپنے مؤرّخوں اور مفکّروں کو ہدایت کیجیے کہ وہ اپنی ساری توجہ بنو امیّہ کے اس عظیم الشّان صد سالہ دَور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) فتنے اپنے ناولوں کے ذریعہ سے مسلمانوں میں پھیلائے ہیں اور اب ہمارے نئے محقّقین نے شرؔر صاحب کے ناولوں ہی کو اپنی تحقیقات کا ماخذ بنا لیا ہے۔

پر مرتکز کریں اور آپ اِس اُموی دَور کو نمونہ کے طور پر سامنے رکھئے۔"

آگے چل کر اس "مثالی دَور" کے فضائل و محاسن کی تفصیل کرتے ہوئے آپ نے اسلامی تہذیب و معاشرت کے انہی دو نمونوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا ذکر 'پاکستان ٹائمز' کے مضمون نگار صاحب کے حوالہ سے اُوپر گذر چکا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

" اس سلسلہ میں دو مثالیں بالکل واضح طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت امام حسینؓ کی صاحبزادی سکینہ اور طلحہؓ کی صاحبزادی (حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نواسی) نے عرب کی زندگی میں معاشرتی اور علمی حیثیت سے جو آزادانہ حصّہ لیا اس کا موازنہ انیسویں صدی کی خواتین کے مرتبہ سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ابتدائی اُموی خلفاء کے زمانہ ہی میں مکّہ اور مدینہ میں گانے بجانے کا معیار کس قدر بلند ہو چکا تھا۔ اب اس کے مقابلہ میں ذرا اس نفرت و حقارت کو دیکھئے جو اُس زمانہ کے بعض گمراہ مسلمانوں کو فنونِ لطیفہ (گانے بجانے) سے ہے۔"

('ڈان' کراچی مورخہ ۹- فروری ۱۹۵۰ء)

اس تقریر کو پڑھ کر آغا خاں بالقابہ کی مرشدانہ قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے کہ اسلام کا دم بھرتے ہوئے اسلام سے فرار کی جو راہ انہوں نے سجھائی ہے وہ اب تک یہاں کے نکتہ وروں کو نہیں سُوجھی تھی۔ ہمارے اربابِ کار ہاتھ پاؤں مار رہے تھے کہ کوئی ایسی راہ ڈھونڈ نکالیں کہ اسلام کے ساتھ ناتہ بھی نہ ٹوٹے اور یہ اسلام اُن کے پیشِ نظر مقاصد میں خلل انداز بھی نہ ہو سکے۔ لیکن ایسی راہ ڈھونڈ نکالنا جو کفر و اسلام، شیطان و رحمٰن، یزدان اور اہرمن دونوں کو جمع کر سکے، ہر مدّعی کا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک مرشدِ کامل کی ضرورت تھی اور اس تقریر کو پڑھنے کے بعد ہر شخص تسلیم کرے گا کہ یہ مرشدِ کامل اگر کوئی ہو سکتا تھا تو بس ہمارے آغا خان بہادر بالقابہ ہی ہو سکتے تھے جو اسلام اور اسلام کی تاریخ پر اتنی عمیق نگاہ رکھتے ہیں۔

سر آغا خاں بالقابہ نے ہمارے اربابِ کار کو جو راہ سوجھائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اسلام

کے نعرہ کے ساتھ کفر قائم کرنا چاہتے ہو تو اُس کا راستہ یہ ہے کہ اپنے مؤرّخوں اور مفکّروں کو اس کام پر لگاؤ کہ وہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین کے دَور کو چھوڑ کر بنی اُمیّہ کے صد سالہ دَور کو اسلامی تاریخ کا خیر القرون ثابت کرنے پر اپنی تمام مساعی مرتکز کر دیں۔ کیونکہ یہی وہ دَورِ میمون ہے جس میں اسلام کی بنیادیں "گہرائی اور وسعت کے ساتھ رکھی گئیں" جس میں سکینہ اور عائشہ جیسی فیشن ایبل خواتین جو بیسویں صدی کی خواتین کے لیے بھی قابلِ رشک ہو سکتی ہیں، پیدا ہوئیں جس میں گانے بجانے کا وہ فنِ شریف اپنے عروج و کمال کو پہنچا جس کو اس زمانہ کے گمراہ مسلمان نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اگر ہمارے اربابِ حل و عقد سر آغا خاں کے اس زرّیں مشورہ کو قبول کر لیں، تو قرار دادِ مقاصد پاس کر دینے کے بعد سے وہ جس اُلجھن میں پھنس گئے ہیں اس سے بیک جنبش وہ رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس "دَورِ مبارک" میں، جس میں آغا خاں کے حسبِ ارشاد "اسلام کی بنیادیں پوری وسعت اور گہرائی کے ساتھ رکھی گئیں" صرف سکینہ اور عائشہ کے قابلِ اتّباع اور رقص و سرود کے ہنگامے ہی موجود نہیں ہیں بلکہ اس کی گہرائیوں اور وسعتوں میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ہمارے اربابِ کار کو تلاش ہے اور وہ مل نہیں رہا ہے اور اگر مل رہا ہے تو اسلام کے لیبل کے ساتھ نہیں مل رہا ہے۔

اس کے لیے بس ایک کام، جیسا کہ سر آغا صاحب نے مشورہ دیا ہے، کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اسلامی ریسرچ کے پورے ڈیپارٹمنٹ کو کچھ مزید توسیع کے ساتھ اس کام پر مامور کر دیجئے کہ وہ اس دَور کی گہرائیوں میں اچھی طرح اُتر کر جو گوہرِ مقصود ہاتھ آئیں ان کو اکٹھا کر لیں۔ اگر ہم حامیوں کی معلومات بھی اس کارِ عظیم میں کچھ مفید ہو سکیں تو اس دَور کی بابت جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ بھی اشارات کی صورت میں یہاں نوٹ کیے دیتے ہیں شاید یہ تلاشِ مقصود میں کچھ رہنمائی کر سکیں۔

اس دَور کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے "مُلکِ عضوض" اور "جبریّت" کے دَور سے تعبیر فرمایا ہے۔ اگر ہمارے اربابِ اقتدار اپنی مطلق العنانی اور اپنے استبداد کے استحکام کے خواہاں ہوں تو یہ دَورِ جبریّت اس کے لیے نہایت گہری بنیادیں مہیا کر سکتا ہے۔

اس دَور میں اسلام کے جمہوری و شورائی نظام کو عجمی ملوکیّت اور ولی عہدی سے بدل ڈالا گیا۔ اگر ہمارے اربابِ کار تخت و تاج کے قیام کے ارمان رکھتے ہوں تو اس دَور سے بڑھ کر ہماری تاریخ کا کوئی دَور بھی اس ارمان کی حوصلہ افزائی کرنے والا نہیں ہے۔ اس دَور نے خلفائے راشدین کے خدمتِ خلق اور محنتِ بے مُزد کے طریقہ کو قیصریّت و کسرویّت سے بدلا۔ اگر ہمارے حکمران قیصریّت و کسرویّت کے احیاء کے متمنّی ہیں تو صرف یہی دَور ہے جو اُن کے لیے مثال کا کام دے سکتا ہے۔ اس دَور میں مروانی امراء کی عیّاشیاں اور سفّاکیاں ظہور میں آئیں۔ اگر ہمارے اربابِ کار ان کے راستوں پر چلنا چاہتے ہیں تو بلاشبہ ان چیزوں کے لیے تاریخ کا قابلِ فخر دَور یہی ہے۔ اس دَور نے یزید اور اُس کے اُن شقی امراء کو جنم دیا جنھوں نے حسینؓ اور آلِ رسول کو کربلا میں اس جرم میں قتل کیا کہ وہ ان کی بادشاہی کے آگے خدا کی بادشاہی کا علم بلند کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارے اربابِ حل و عقد اپنی تاریخ کو بھی کربلا کی ٹریجڈی سے نورانی کرنا چاہتے ہوں، تو اس کے لیے بلاشبہ اسی دَور سے رہنمائی مل سکے گی۔ اسی دَور میں حجاج بن یوسف ثقفی، خالد قسری اور ابنِ ہبیرہ جیسے درندے پیدا ہوئے جن کی سفاکیوں سے خدا کی زمین چیخ اٹھی۔ اگر ان کے کارناموں کو پھر زندہ کرنا پیشِ نظر ہو تو لازماً اسی دَور کی گہرائیوں اور وسعتوں کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ اس دَور کے بعض مصلحین نے اپنے زمانہ کے امراء سے خطاب کرکے کہا تھا کہ خدا نے تم کو اپنی مخلوق کا چرواہا بنایا تھا مگر تم نے بھیڑیے بن کر ان کی کھالیں اُدھیڑ ڈالیں، ان کے گوشت کھا لیے اور ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے چھوڑ دیئے۔ اگر ہمارے خداوندانِ نعمت بھی یہی چاہتے ہیں کہ گڈریے کے بجائے بھیڑیے بن کر ہماری کھالیں کھینچیں اور ہمارے گوشت نوچیں تو بلاشبہ اس سیرت کی بہترین مثالیں بنو اُمیّہ کے اسی صد سالہ دَور میں مل سکیں گی۔ نیز یہی دَور ہے جس نے آغا خاں کے بقول فاطمہؓ زہرا کی جگہ سکینہ اور عائشہ صدیقہ کی جگہ عائشہ بنتِ طلحہ کو جنم دیا۔ جن کی آزادی جن کے فیشن اور جن کی مجلس آرائیوں کو آغا خاں بیسویں صدی کی خواتین کے لیے بھی قابلِ رشک قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ بات ہے تو عورتوں کی اصلاح کی جو تحریک ہمارے

لیڈروں نے چلائی ہے اس کی تقویت و تائید کے لیے بھی بہترین دینی مواد اسی دور کی تاریخ سے مل سکے گا۔

غرض سر آغا خاں بہادر نے اپنے اس ایک اشارہ سے ہمارے ارباب اقتدار کی وہ ساری اُلجھنیں دُور کر دی ہیں جن میں وہ قرار دادِ مقاصد پاس کر کے مبتلا ہو گئے تھے۔ اب اگر ہمارے مؤرخوں اور مفکروں نے سر جوڑ کے اس صد سالہ دور کے مطالعہ میں محنت کی اور اس کی گہرائیوں میں اُتر کر اس دور کے سارے مآثر بے نقاب کر لیے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ تجدید و اصلاح کا وہ عظیم الشّان کام جو ہماری قیادتِ عُلیا کے پیشِ نظر ہے اس کے لیے کوئی چیز امریکہ و انگلستان سے برآمد نہیں کرنی پڑے گی بلکہ پورا سامان تعمیر اور سارا مسالہ اپنے ہی گھر سے فراہم ہو جائے گا جس کا کوئی شخص بھی بدیسی یا "غیر اسلامی" کہنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔

سر آغا خاں کی یہ تقریر پاکستان کے اُونچے حلقوں میں بہت پسند کی گئی۔ یہاں تک کہ 'ڈان' نے اس پر داد دی ہے کہ اقبال کے بعد آغا خاں کے سوا یہ حکیمانہ باتیں اور کوئی نہ کہہ سکتا تھا۔

دھمکیاں

سر آغا خاں کی یہ تقریر جیسی کچھ بھی ہے اس کا ایک پہلو کم از کم یہ قابلِ تعریف ہے کہ وہ ماضی کے ساتھ ہمارے ربط کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اگرچہ وہ ماضی عہدِ رسالت اور دورِ خلفائے راشدین کے بجائے دورِ بنی اُمیّہ ہی ہو۔ لیکن یہاں تو اب علی الاعلان یہ بھی کہا جانے لگا ہے کہ ہم اب تک جس انداز سے اور جن زاویہ ہائے نگاہ سے اپنی زندگی کے معاملات پر غور کرتے رہے ہیں اب آزادی کے حصول کے بعد ان میں تبدیلی کرنی پڑے گی اور اگر طوعاً یہ تبدیلی نہ کی گئی تو مصطفیٰ کمال کی طرح جبراً یہ تبدیلی کرائی جائے گی اور ساتھ ہی تمام اسلامی اقدار کی کھلم کھلا توہین کرتے ہوئے عورتوں کو سوسائٹی کے خلاف بغاوت پر اُبھارا جا رہا ہے۔ لاہور کے ایک روزنامہ کے اداراتی مقالہ کی مندرجہ ذیل سطریں ملاحظہ ہوں:۔

"عورتوں کی آزادی یا پردہ و نقاب پوشی کے سوال پر فرنگی اقتدار کے دور میں

ہم جس انداز سے اور جس زاویہ ہائے نگاہ سے بحث کرتے رہے ہیں۔ اب اس میں بنیادی تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے ورنہ ہماری معاشرت میں وہ توازن و ہم آہنگی اور وہ تناسب و یک رنگی پیدا نہ ہوسکے گی جس کے بغیر قوموں کی سربلندی محال ہے۔

("احسان" لاہور مورخہ ۴۔ فروری ۱۹۵۰ء)

پردہ کا مسئلہ جب بھی زیر بحث آیا، خواہ فرنگی اقتدار کے دور میں یا اس اسلامی اقتدار کے عہد میں، اس بحث میں کم از کم پردہ کے حامیوں کا نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ اسلام کے سوا کچھ اور نہیں رہا ہے۔ اب اگر قومی سربلندی اور معاشرت میں توازن و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس نقطۂ نظر میں تبدیلی پیدا کی جائے تو دوسرے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ اب زندگی کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے غور کرنے کے بجائے صرف قومی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے اور اسلام کو خیرباد کہہ دیا جائے

اس سلسلہ میں آگے چل کر ایڈیٹر صاحب دھمکی دیتے ہیں کہ لوگوں کو چاہیئے کہ سیدھے سیدھے وقت کے تقاضوں کے آگے سرِ تسلیم خم کریں اور معاشرت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے عورتوں کو آزادی دیں ورنہ یہاں بھی مصطفیٰ کمال کا طریقہ اختیار کر کے صبح و شام میں عورتوں کو پردہ سے باہر نکال لیا جائے گا۔ کیونکہ معاشرت میں انتشار باقی رکھ کے دشمن کو فائدہ اُٹھانے کا موقع بہرحال نہیں دیا جاسکتا، ارشاد ہوتا ہے :۔

"آزادی کے حصول کے بعد معاشرت کے مختلف دائروں میں ہم آہنگی و یک جہتی پیدا کر کے قوم و ملت کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کا کام دو ہی طرح ہوسکتا ہے :۔ یا تو مصطفیٰ کمال کی قسم کا کوئی آمرِ مطلق پیدا ہو جو ڈکٹیٹر بن کر اس قسم کے احکام نافذ کرے کہ فلاں تاریخ اور فلاں وقت کے بعد سے کوئی عورت پردہ کے اندر نہ رہ سکے گی اور زندگی کے میدان میں مردوں کے سر کا بوجھ بنے رہنے کے بجائے اپنی راہ آپ تلاش کرے گی۔ اور یا پھر عوام میں خود اتنا شعور ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے قومی و ملی مفاد کو سوچیں اور شخصی تعصبات کو ملکی مفادات کے ساتھ متصادم نہ ہونے دیں ـــــ پاکستان میں ابھی تک اس دوسری شکل کا دروازہ کھلا

ہوا ہے لیکن اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو پھر لازماً دو ہی نتیجے بر آمد ہوں گے یا تو ہم میں کوئی آمرِ مطلق پیدا ہو جائے یا ہمارے اس اندرونی اختلال و انتشار سے اغیار ناجائز فائدہ اٹھائیں۔" (احسان)

اس آمرانہ دھمکی کے بعد ایڈیٹر صاحب سوسائٹی کے موجودہ معروف و منکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تلقین فرماتے ہیں کہ جب تک معروف و منکر کے موجودہ معیارات قائم رہیں گے اس وقت تک ترقی کے راستہ پر قدم بڑھانا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ جو خواتین اس راہ میں آگے بڑھ گئی ہیں وہ بھی نکو بن کر رہ جائیں گی۔ اس وجہ سے سب سے مقدم کام یہ ہے کہ خیر و شر کے موجودہ اقدار و پیمانے بدلیں یہاں تک کہ جن باتوں کو آج عورت کے لیے ہنر سمجھا جاتا ہے وہ عیب خیال کی جانے لگیں، اور جن چیزوں کو عیب سمجھا جاتا ہے وہ ہنر سمجھی جانے لگیں، فرماتے ہیں:-

"اصل سوال یہ ہے کہ آیا ہم اس قسم کے مشاغل (ترسنگ کی طرف اشارہ ہے) کو مسلم خواتین کے لیے باعثِ عزت سمجھتے ہیں یا مجبوری و بے شرمی کا حیلہ قرار دیتے ہیں۔ پھر سوال صرف ترسنگ ہی کا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اسی قسم کے دوسرے بیسیوں مسائل بھی الجھے ہوئے ہیں۔ اب تک ہماری عورتوں کو صرف مردوں کا دست نگر ہونا سکھایا جاتا ہے۔ ان سے صرف یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شادی سے پہلے باپ بھائی کی اور شادی کے بعد شوہر کی خدمت گذاری و اطاعت شعاری کا ہنر سیکھیں۔ گھر کے مرد جو کچھ پیدا کریں اسی میں تنگی ترشی کے ساتھ اپنا وقت گذاریں اور قومی زندگی کو خوشگوار بنانے میں اپنا دائرہ عمل صرف زچہ خانے اور باورچی خانے تک محدود رکھیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا زندگی کا یہ نظریہ اب بھی ہمارے لیے سود مند ہے یا نہیں؟ کیا خواتین کو قومی و ملی مشاغل کے وسیع ترمیدانوں سے علیحدہ رکھنے اور انہیں صرف مردوں کی خدمت گذاری یا تفریح طبع کا آلۂ کار بنائے رکھنے کا یہ طریقہ نفع بخش ہے یا خطرناک؟ اس وقت تک تو ہماری معاشرت کا ڈھانچہ یہ ہے ......

کہ اگر کوئی عورت بغاوت کر کے اپنا راستہ بنائے تو اسے یا تو مجبوری کی بنا پر

معاف کر دیا جاتا ہے مگر حقارت کے ساتھ یا اس کی اس حرکت کو شرمناک قرار دے کر اس کے خلاف نت نئے شگوفے چھوڑے جاتے ہیں۔ ہم نے عصمت و عفّت کو صرف عورت کے ساتھ مخصوص کر کے عصمت و عفّت کی حفاظت و صیانت کی راہ بھی خود ہی تجویز کر رکھی ہے۔"

اپنی اس حالت پر ماتم کرنے کے بعد ایڈیٹر صاحب زندہ قوموں کا اُسوۂ حسنہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے ہیں اور عورتوں کو مخاطب کر کے للکارتے ہیں کہ تم خود اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرو اور خود اعتمادی کے عزائم کے ساتھ معاشرت کے ڈھانچہ کو توڑ پھوڑ دو۔ اور اگر کچھ برخود غلط لوگ اس پر طعن کرتے ہیں تو اس کی پروانہ کرو۔ بھلا یہ بھی زندگی کا کوئی مطمح نظر ہوا کہ شادی کے لیے ایک شوہر تلاش کر لیا اور اسی شوہر کی خدمت گذاری میں زندگی گذار دی۔ اپنی خودی اور خودداری کو ابھارو اور زندگی کے وسیع میدانوں میں جولانیاں دکھاؤ۔ اس سوسائٹی کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو اب تک یہ بھی نہ سمجھ سکی کہ وقت کے نئے تقاضوں کے ساتھ گذرے ہوئے ماضی کا جوڑ لگانا ممکن نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

"ہم سمجھتے کہ نہ صرف نرسنگ میں بلکہ ان تمام قومی و ملّی مشاغل کے میدانوں میں خواتین کو آگے آنا چاہیئے جن میں ان کی خدمت قوم و ملک کے وسیع تر مفاد کے لیے سودمند ہو سکتی ہے۔ ہماری خواتین کو چاہیئے کہ اگر ضرورت ہو تو اس سلسلہ میں تھوڑی سی جرأتِ اخلاقی کا مظاہرہ کرنے سے بھی نہ ہچکچائیں۔ ...... ہماری خواتین کو محسوس کرنا چاہیئے کہ بیچ کی چند صدیوں نے ہماری معاشرت کا جو ڈھانچہ بنا دیا ہے وہ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ اُسکی ہر ہر گلی اور اُس کے ہر ہر کوچے کو مقدّس سمجھ کر آنکھیں بند کئے اس پر چلتی رہیں۔ اگر کچھ برخود غلط حلقے ان کو مطعون کرتے ہیں تو اس کی پروانہ کریں صرف اپنے ضمیر اور اپنے خدا[1] کے آگے خود کو جوابدہ سمجھیں اور تعمیرِ پاکستان کی ان منزلوں میں قدم

---

[1] خدا کا نام لینے کی یہ ادا غالباً ایڈیٹر صاحب نے اپنے خداوندانِ کراچی (باقی اگلے صفحہ پر)

بڑھانے سے محض اس لیے نہ ہچکچائیں کہ وہ دنیا کیا کہے گی جو دنیا ابھی تک ماضی و مستقبل کے درمیان حدِ فاصل کھینچنے ہی میں مجرمانہ تغافل سے کام لے رہی ہے۔ شادی کے لیے ایک شوہر تلاش کر لینا اور زندگی کو اسی شوہر کی خدمت گذاری کے سانچہ میں ڈھالتے رہنے کی کوشش کرنا کوئی مطمحِ نظر نہیں، کوئی مقصد نہیں۔ اصل مقصد اور اصل مطمحِ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ تعمیرِ ملّت کے وسیع تر مفاد کے لیے خود کو سازگار بنائیں اور اپنی خودی اور خودداری کو دبانے کے بجائے اُسے ابھاریں اور جلا بخشیں۔"

(روزنامہ 'احسان' مورخہ ۴- فروری ۱۹۵۰ء)

یہ ایڈیٹر صاحب اخباری رقابت کے تحت کمیونسٹوں پر اکثر نہایت تیز و تند تنقیدیں کرتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ میں اگر ضرورت پیش آتی ہے تو مذہب کو بھی اپنی حمایت میں استعمال فرماتے ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا سطریں غور سے ملاحظہ فرما کر فیصلہ کیجئے کہ کیا کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی تصوّر کر سکتا ہے کہ ان کا لکھنے والا اسلام سے دُور پرے کا بھی کوئی رشتہ رکھتا ہے۔ کیا لینن اور اسٹالین کا کوئی کٹر سے کٹر مرید بھی اسلام اور اسلامی روایات پر اس سے زیادہ بیباکانہ حملہ کر سکتا ہے؟

اسلام پر پیدا ہونے اور اسلامیت کے دعوےٰ کے باوجود ان کے اخلاقی مُعاشرتی نظریات بعینہٖ وہی ہیں جو دنیا کی دوسری مادیّت پرست اور کافر قوموں کے ہیں۔ چنانچہ انہی صاحب کے ایک اور ایڈیٹوریل کی مندرجۂ ذیل سطریں ملاحظہ ہوں :-

" خدا نے انسان کو بالکل آزاد بنا کر پیدا کیا ہے مگر انسان نے اپنے معاشرتی مفاد کی خاطر خود ہی اپنے اوپر مختلف قسم کی پابندیاں عاید کر رکھی ہیں۔ قدرت کا قانون تو یہ ہے کہ ہر عورت ہر مرد کے لیے "کھلی ہوئی" ہے لیکن ہم نے معاشرت میں نفاست و حسن پیدا کرنے اور انسانی نسل کو اخلاقی بلندیوں کی بلند سطح پر لانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے سیکھی ہے۔ وہ بھی خدا اور اس کے دین کی خوب مرمت کر لینے کے بعد اسی طرح خدا کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔

کے لیے جنگل کے جانوروں کی اتباع میں جنسی جذبات کو کھلی چھٹی نہیں دے رکھی ہے۔ اس کے برعکس ہم نے ازدواج و مناکحت کی پابندیاں عاید کرنا خود اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس ہم کسی انسان کی آزادی پر بھی گرفت کرتے ہیں کہ عصمت فروشی میں بے باکی سے کام نہ لے حالانکہ یہ اس کی آزادی میں مداخلت ہے۔ (احسان، لاہور مورخہ ۲۸- جنوری ۱۹۵۰ء)

اِن کوششوں کا مجموعی اثر

بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ کہنا یہ تھا کہ اس طرح کا فاسد اور زہریلا لٹریچر ہے جو اس تحریک آزادیٔ نسواں کی حمایت کے لیے اس ملک کا پورا انگریزی پریس اور اُردو پریس کا ایک بہت بڑا حصہ رات دن پوری سرگرمی کے ساتھ گھر گھر پھیلا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس تحریک کو قوم کے لیڈروں کی سرپرستی حاصل ہو جس کے اندر عمّالِ حکومت اپنے سرکاری فرائض سے زیادہ دلچسپی لے رہے ہوں، جس کی حمایت کے لیے پریس کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہو کہ جس طرح کا بھی فاسد اور محرّک و مہیج مواد اُن کے ہاتھ لگے اس کو پھیلائیں۔ وہ اگر جنگل کی آگ سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ پھیلے تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک طرف تو مشہور قراردادِ مقاصد ہے جو کتاب و سُنّت والی تہذیب قائم کرنے کے لیے پاس کی گئی ہے لیکن اس کے تقاضوں کی تکمیل میں اب تک ایک مُردہ سُنّت بھی پُورے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں زندہ نہ کی جا سکی، اور دوسری طرف اس تحریک کی گرما گرمی کا یہ عالم ہے کہ اگر تہذیبِ اسلامی کے کچھ نقوش اپنی سخت جانی کی وجہ سے ہماری حیاتِ اجتماعی کے کسی گوشہ میں دبے دبائے پڑے رہ گئے تھے تو وہ بھی صبح و شام میں مٹا چاہتے ہیں۔ اس کا صحیح صحیح اندازہ آپ کو کرنا ہو تو آپ مشرقی پاکستان کے حالات کا جائزہ لیجیے۔ یہ علاقہ مغربی پاکستان کے مقابل میں نسبتاً اپنی مشرقیت، اور اسلامیت کے لیے مشہور یا ہمارے تجدّد پسند حضرات کے نقطۂ نظر سے اپنی رجعت پسندی کے لیے بدنام رہا ہے۔ بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں تو اس کا حال مغربی پاکستان بالخصوص پنجاب سے بالکل ہی مختلف رہا ہے۔ لیکن ان مشترکہ مساعی کا نتیجہ

یہ ہے کہ دیکھتے دیکھتے آزادیٔ نسواں کی تحریک اب وہاں اس منزل میں پہنچ گئی ہے کہ مشرقی بنگال مسلم لیگ کونسل تک اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گئی۔ چنانچہ اس کا مندرجہ ذیل ریزولیوشن ملاحظہ ہو:۔

"یہ کونسل مشرقی پاکستان کے کلبوں میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط اور دوسری اس قسم کی خلافِ شریعت اخلاق سوز حرکات کی پرزور مذمّت کرتی ہے .... ان چیزوں کو دیکھ کر عوام کا غصّہ اس قدر بھڑک رہا ہے کہ اگر حکومت نے فوراً مداخلت کر کے ان حرکات کو روک نہ دیا تو عوام کوئی سخت کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔[1]

('ڈان'۔ کراچی مورخہ ۲۳۔ جون ۱۹۴۹ء)

قوم کی واحد نمائندہ جماعت کے اس احتجاج کے بعد، جس میں یہ دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر ان خلافِ شریعت اور اخلاق سوز حرکات کی روک تھام کے لیے حکومت نے کوئی مؤثّر قدم نہ اٹھایا تو عوام قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ یہ تحریک ہر احتجاج و اعتراض سے بالکل بے نیاز ہو کر جس طرح آگے بڑھتی رہی ہے اس کا اندازہ بیگم شاہ نواز کے مندرجۂ ذیل بیان سے ہوگا جو انہوں نے مذکورہ بالا تجویز کے پورے سات ماہ بعد ۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۹ء کو مشرقی پاکستان کے دَورہ سے واپس آ کر کراچی میں پریس کو دیا ہے:۔

"مشرقی پاکستان میں عورتوں کی ترقّی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ بہت سے شعبہائے زندگی میں مشرقی پاکستان کی عورتیں مغربی پاکستان کی عورتوں سے آگے نکل گئی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے میڈیکل

---

[1] یہ ملحوظ رہے کہ یہ تجویز اس مسلم لیگ نے پاس کی ہے جس کے لیڈر اور جس کی حکومت ہی ان ساری حرکات کے ذمّہ دار ہیں اور پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس "آزادانہ اختلاط" اور جن "اخلاق سوز حرکات" کو یہ حضرات بھی اخلاق سوز اور خلافِ شریعت قرار دیں اس کی نوعیت کیا کچھ ہو سکتی ہے۔

کالج میں لیڈی پروفیسر اور ان چار لڑکیوں کا ذکر کیا جنہوں نے ہوائی جہاز چلانے کے لائیسنس حاصل کیے ہیں۔ آپ نے کہا کہ مشرقی پاکستان کے بڑے بڑے ذمہ دار افسروں بلکہ وزراء تک کی بیویاں بھی گھروں میں بند نہیں رہتیں۔ وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو تعمیرِ ملّت[1] کے کاموں میں حصہ لینے کے لیے باہر نکل آئی ہیں۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور، مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء)

عوام کی ذہنیتیں جس تیزی کے ساتھ متغیر ہو رہی ہیں اور ہر محفل میں عورتوں کو پیش پیش رکھنے اور اُن سے رہنمائی حاصل کرنے کا مذاق جس سرعت کے ساتھ لوگوں میں ترقی کر رہا ہے، اُس کا اندازہ صرف اس ایک بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اب مسلمان میلاد کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہیں تو اُن کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اُن میں تقریر کرنے کے لیے کسی عالمِ دین یا کسی مرد لیڈر کے بجائے کسی خاتون ہی کو بلائیں۔ اس وقت جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں، میرے سامنے ۱۶ جنوری ۱۹۵۰ء کے 'ڈان' کا پرچہ پڑا ہوا ہے۔ اس میں حیدر آباد (سندھ) کی ایک انجمن کے جلسۂ میلاد کی رُوداد شائع ہوئی ہے۔ انجمن کا نام ماشاءاللہ 'مجلسِ اُسوۂ رسولؐ' ہے۔ جلسہ بھی میلادِ نبویؐ کا ہے۔ لیکن آپ کو یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ اس 'مجلسِ اُسوۂ رسولؐ' نے اُسوۂ رسولؐ بیان کرنے کے لیے جس عالمۂ کتاب و سُنّت اور پیکرِ اُسوۂ رسولؐ کو دعوت دی تھی وہ مس فاطمہ جناح ہیں۔ چنانچہ اخبار نے غالباً موصوفہ کی پیرویٔ اُسوۂ رسولؐ ہی کو نمایاں کرنے کے لیے اُن کی تقریر کے ساتھ ان کی تصویر بھی شائع کی ہے تاکہ مسلمان خواتین اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ اُسوۂ رسولؐ دراصل یہ ہے جس پر مُلّاؤں نے پردہ ڈال دیا تھا اور جو پاکستان بننے کے بعد اب بے نقاب ہو کر سامنے آیا ہے۔ اِس جلسہ میں موصوفہ نے اُسوۂ رسولؐ پر جو تقریر

---

[1] "تعمیرِ ملّت" ایک اصطلاح ہے جس سے مراد اسی طرح کے کارنامے ہیں جن کا ذکر اوپر مشرقی بنگال مسلم لیگ کونسل کے ریزولیوشن میں آیا ہے اور جن کے خلاف کونسل کو صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ کہیں لفظِ ملّت سے کوئی شخص ملّتِ ابراہیمؑ و محمدؐ (علیٰ اصحابہا الصلوٰۃ والسلام) مراد نہ لے بیٹھے۔ یہ ان لوگوں کی اپنی ملّت ہے۔ ہر عربی لفظ لازماً اسلامی ہی نہیں ہوتا۔

ارشاد فرمائی ہے وہ بھی نہایت سبق آموز ہے۔ ہمارے پاکستان میں کچھ فیشن سا ہو گیا ہے کہ جو صاحب بھی کوئی تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں وہ کلمہ "اتحاد، یقین، نظم" (UNITY، FAITH، DISIPLINE) کی تلاوت سے اس کا آغاز فرماتے ہیں اور ظاہر کرنے کی کوشش فرماتے ہیں کہ یہی تین کلمات کُن فیکون ہیں جن سے دنیا وجود میں آئی ہے اور انہی تین کلمات کے بل پر یہ پورا کارخانہ کائنات چل رہا ہے۔ چنانچہ اسی عام روِش کی تقلید کرتے ہوئے موصوفہ نے بھی اپنی تقریر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی دنیا میں جو عظیم الشان کامیابیاں حاصل کیں وہ بھی انہی تین میں سے ایک کلمۂ یقین (FAITH) کی مرہونِ احسان ہیں۔ معلوم ہوا کہ تکمیلِ دین تو اب کہیں جاکر بیسویں صدی میں ہوئی ہے جبکہ بقیہ دو کلمے بھی اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اس سے پہلے سارا کام ایک تہائی دین ہی سے چل رہا تھا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

اس مجلسِ اُسوۂ رسولؐ کے جلسۂ میلاد النبیؐ کا سب سے زیادہ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی بھی تشریف فرما تھے۔ اور انہوں نے وہاں تقریر بھی فرمائی لیکن اے۔ پی۔ پی کے رپورٹر نے اپنی طویل رپورٹ میں جو اخبار کے پورے ڈیڑھ کالموں میں شائع ہوئی ہے، ان کا ذکر صرف ڈیڑھ سطر میں اس طرح کیا ہے کہ "جلسہ میں وہ بھی موجود تھے اور انہوں نے مِس فاطمہ جناح کی تقریر سے پہلے ایک تقریر فرمائی"۔ ناظرین واقف ہوں گے کہ یہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانہ بھون کے ایک مشہور عالم، علوم دینی کے مدرّس، اور حدیث و فقہ کی متعدد کتابوں کے مصنّف ہیں۔ اُن کی قدر و عافیت اس اسلامی مملکت میں اب یہ رہ گئی ہے کہ میلاد کی مجلسوں میں بھی بیچارے اگر بلائے جاتے ہیں تو مس فاطمہ جناح کے ایک تابعِ مہمل کی حیثیت سے۔ قانون سازی اور دستور سازی وغیرہ تو مولویوں کی دسترس اور اُن کے مبلغِ علم سے بالاتر خیال کی ہی جاتی تھیں۔ اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمانوں کو میلاد بھی بیگمات ہی کا پسند آتا ہے۔ ہمارے علمائے کرام اب اس کام کے لیے بھی

کچھ بہت زیادہ موزوں نہیں خیال کئے جاتے۔ اگر مسلمانوں کے ذہنی تغیر کی رفتار یہی رہی تو ہمارا اندازہ یہ ہے کہ تھوڑے ہی دنوں کے اندر اندر آپ دیکھیں گے کہ ہمارے یہ حضرات علماء نمازِ جنازہ کے لیے بھی ناموزوں قرار دے دیئے جائیں گے اور اگر کسی لیڈر صاحب کی وفات ہو گی تو مسلمان یہی چاہیں گے کہ ان کی نمازِ جنازہ بھی شیخ الاسلام صاحب کے بجائے کوئی لیڈر صاحب یا لیڈرانی صاحبہ ہی پڑھائیں۔

گزشتہ مباحث کا خلاصہ

یہ ساری تفصیل ہم نے ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے پیش کی ہے جن کو سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی کچھ سوجھائی نہیں دیتا اور جو ابھی تک یہی خواب دیکھتے چلے جا رہے ہیں کہ اُن کے لیڈر رات دن اسلامی نظام قائم کرنے کی تیاریوں میں سرگرم ہیں اور کوئی شخص ان کو آنکھیں کھولنے اور اصل حقیقت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس کے مشورہ کو قبول کریں اُلٹے اس کے سر ہو جاتے ہیں کہ تم تو ہمارے لیڈروں سے بدگمانی کرتے ہو۔ اس قسم کی خوش گمانی کے مریضوں کے لیے ہم نے چند مہینوں کے صرف چند اخباروں سے یہ اقتباسات پیش کئے ہیں (اور واضح رہے کہ جمع شدہ مواد کا نہایت قلیل حصّہ اس مضمون میں دیا جا سکا ہے) امید ہے کہ یہ مواد سُرمۂ بصیرت کا کام دے گا اور وہ اس کی مدد سے اصل حقیقت کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ جو سمجھ دار اور منصف مزاج آدمی بھی اس پورے سلسلہ کو غور سے پڑھے گا اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس ملک کے اربابِ اقتدار مغرب زدگی کی جو لعنت اس ملک پر مسلّط کرنے کے متمنّی ہیں اس کا پہلا تجربہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت وہ پہلے ہماری بہنوں اور بیٹیوں پر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اور ان کا یہ سمجھنا ایک حد تک صحیح ہے کہ اگر عورتوں نے اس طاعون کے جراثیم قبول کر لیے تو ہماری سوسائٹی کا بقیہ حصّہ اس سے بچنا بھی چاہے گا تو نہ بچ سکے گا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن کی شاخوں کا جال، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پاکستان

کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا ہے[1] اور یہ کام سرکاری اہتمام اور سرکاری سرپرستی میں انجام پا رہا ہے، اور انجام پا رہا ہے۔ ہر ایکسی لینسی بیگم ناظم الدین صاحب اور مس فاطمہ جناح اس ایسوسی ایشن کی سرپرست ہیں۔ بیگم لیاقت علی خان اس کی صدر ہیں اضلاع میں اس کی کرتا دھرتا اعلیٰ سرکاری حکام کی بیگمات ہیں، اس کی کانفرنسیں گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے اس ایسوسی ایشن کو باضابطہ طور پر تسلیم کر کے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ ان تمام معاملات میں، جن کا تعلق عورتوں سے ہو، محکمہ متعلقہ ایسوسی ایشن مذکور سے استفسار کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائے۔

ان تیاریوں کے ساتھ یہ حضرات ہماری خواتین میں جس قسم کا انقلاب برپا کرنے کے درپے ہیں۔ اگر کوئی شخص انہی کی تقریروں اور تحریروں کی روشنی میں اس انقلاب کے مطمحِ نظر کو سمجھنا اور متعین کرنا چاہے تو اسے معلوم ہو گا کہ ہماری سیاست، معاشرت اور اخلاق کے تمام موجودہ اقدار اس کی زد میں ہیں اور اگر یہ واقع ہو گیا تو ہماری زندگی کے ان تینوں گوشوں میں نہایت اہم اور بنیادی تبدیلیاں واقع ہوں گی جن کا اجمالی تصور ذہن میں پیدا کرنے کے لیے ہم ان کو یہاں الگ الگ پیش کرتے ہیں۔

(۱) سیاسی پہلو سے یہ حضرات جو انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں وہ مرد اور عورت کی کامل مساوات کے نظریہ پر مبنی ہے۔ حقوق میں بھی مساوات اور فرائض میں بھی مساوات۔ اُن کا نظریہ یہ ہے کہ عورت وہ سب کچھ کر سکتی ہے جو مرد کر سکتا ہے اس لیے اسے وہ سب کچھ کرنے کا موقع ملنا چاہیے جو مرد کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ عورتوں اور مردوں کی جدّوجُہد کے میدان الگ الگ ہیں۔ اُن کے نزدیک دونوں کے لیے ایک ہی میدان ہے اور ایک ہی گوئے و چوگان، اس لیے دونوں کو زندگی

---

[1] اسی ایسوسی ایشن کی کارکن خواتین کی رہنمائی و قیادت میں آئندہ نسل کی بچیوں اور نوجوان لڑکیوں کو تربیت کرنے اور پروان چڑھانے کے لیے بلیو برڈس (BLUE BIRDS) گرل گائیڈس، زنانہ رضا کار کور، زنانہ نیشنل گارڈز اور اینجلز آف مرسی (ANGELS OF MERCY) یعنی نرسوں وغیرہ کی مختلف تنظیمیں اور تحریکیں سرگرم عمل ہیں۔

کے ایک ہی میدان میں بالکل ایک ہی طرز پر بازی کھیلنی چاہیئے۔ جو شہری حُقُوق مردوں کو حاصل ہیں وہی شہری حُقُوق عورتوں کو حاصل ہیں۔ ریاست کی جو ذمّہ داریاں مردوں پر عاید ہوتی ہیں بے کم وکاست وہی ذمّہ داریاں عورتوں پر بھی عاید ہوتی ہیں۔ جس طرح مرد شہری اور مُلکی حُقُوق ادا کرنے کے لیے پولیس اور فوج میں بھرتی کیے جاتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی پولیس اور فوج میں بھرتی کی جائیں۔ جس طرح مرد سپاہی، پائلٹ، کپتان اور کمانڈر بنتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی سپاہی، پائلٹ، کپتان اور کمانڈر بنیں۔ جس طرح مرد وکیل اور جج، ڈپٹی کمشنر اور کمشنر، سفیر اور وزیر، گورنر اور گورنر جنرل ہوتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی ان تمام مناصبِ عالیہ پر سرفراز ہونا چاہیئے۔ جس طرح مردوں کو الیکشن لڑنے، ممبر منتخب ہونے، پارلیمنٹری سکرٹری، وزیر اور وزیر اعظم بننے کے مواقع حاصل ہیں اسی طرح ان ساری قسمت آزمائیوں کے لیے عورتوں کو بھی مردوں کے برابر مواقع ملنے چاہئیں۔ غرض زندگی کے ہر شعبہ اور جدّ وجُہدِ زندگی کے ہر گوشہ میں ان لوگوں کے نزدیک مرد عورت ہے اور عورت مرد۔ اِس مساوات کو یہ حضرات اجتماعی زندگی میں ہم رنگی وہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بغیر ملک ترقّی کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا۔ اس کے بغیر ہمارے وزیرِ خزانہ کے ارشاد کے مطابق کوئی ملک معاشی اعتبار سے بھی آسودہ حال نہیں ہوسکتا۔ اسی چیز کو مطمحِ نظر قرار دے کر آل پاکستان زنانہ ایسوسی ایشن جدّ وجُہد کر رہی ہے اور اس کے اس مطالبہ کو ہمارے وزیرِاعظم صاحب اس ملک کی ترقّی اور مدافعت کے نقطۂ نظر سے ناقابلِ انکار قرار دیتے ہیں۔

(۲) معاشرتی پہلو سے جس تبدیلی کے یہ لوگ خواہاں ہیں اور جس کے لیے مذکورہ بالا مقاصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انہیں خواہاں ہونا چاہیئے بھی، وہ یہ ہے کہ پردہ کے احکام کو یکسر لپیٹ کر رکھ دیا جائے۔ عورت کا حُسن وجمال ان لوگوں کے نزدیک چھپانے کی چیز نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ نمایاں کرکے سامنے لانے کی چیز ہے

تاکہ لوگ ان کے حُسن وجمال میں قدرت کی صنعت گری کے تماشے دیکھ سکیں۔ پردہ ان لوگوں کے خیال میں ایسے لوگوں کی ایجاد ہے جو خود اخلاقی اعتبار سے پست تھے، انہوں نے اپنی کمزوریوں کو مغلوب کرنے کے بجائے اُلٹے عورتوں کو گھروں کی چار دیواری کے اندر بند کر دیا۔ ان حضرات نے علمی و تاریخی تحقیقات سے یہ پتہ چلایا ہے کہ اسلام کے دورِ اوّل میں عورتیں آرٹ سیلون بنا بنا کے بیٹھتی تھیں اور ان کے اردگرد شعراء، اُدباء، بذلہ سنج اور لطیفہ گو، بھانڈ اور گویّے اکٹھے ہوتے تھے اور وہ اُن سب کی رہنمائی اور سرپرستی فرماتی تھیں۔ ان لوگوں کی یہ بھی تحقیق ہے کہ اُس عہد کی عورتیں بُرقعوں اور نقابوں میں لپٹی رہنے کے بجائے اپنے حُسن وجمال کے آئینہ میں لوگوں کو اللہ کی قدرت وصنّاعی کی نشانیوں کا مشاہدہ کراتی پھرتی تھیں۔ لیکن عباسیوں کے دورِ آخر میں جب نیّتوں میں خیر القرون والی پاکبازی اور نگاہوں میں عہدِ صحابہؓ کی سی پارسائی باقی نہ رہی تو محتاط لوگوں کو مجبوراً آیاتِ الٰہی کی نمائش کا یہ کاروبار ختم کرنا اور اپنی عورتوں کو گھروں میں بند کرنا پڑا۔ اس گروہ کے بعض دوسرے محققین جو اس تحقیق سے شاید مطمئن نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کی بیٹی فاطمہؓ پردہ کرتی تھیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قائدِ اعظم کی بہن فاطمہ پردہ نہیں کرتی اور ہمارے زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ہمارے لیے قابلِ اتباع نمونہ قائدِ اعظم کی بہن ہی کا ہے نہ کہ رسولؐ اللہ کی بیٹی کا۔ اس حلقہ میں پردہ کے متعلق نرم سے نرم رائے ہمارے وزیرِ خزانہ آنریبل مسٹر غلام محمّد کی ہے جو اس "رواج" کو "مُلّایانہ تحکّم" کی ایجاد قرار دیتے ہیں بہرحال استدلال کی نوعیّت میں تھوڑا بہت فرق ہو تو ہو لیکن اس نتیجہ پر سب متفق ہیں کہ پردہ اس ملک کی ترقّی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اس کا جلد سے جلد دُور ہونا ضروری ہے۔

(۳) اخلاقی پہلو سے یہ لوگ جس تبدیلی کے خواہاں ہیں وہ یہ ہے کہ عورت شرم وحیا اور عصمت وعفّت کے رسوم وقیود میں جکڑی ہوئی رہنے کے بجائے

"مادام" آذوری کی پاکستان اکاڈمی آف آرٹ میں جاکر جسم بنانے اور جسمانی حرکات میں موافقت و ہم آہنگی پیدا کرنے کا فن سیکھے۔ تال، سُر اور جسمانی انضباط کا شعور پیدا کرے۔ کتھک ناچ کو جو مسلمانوں کا خاص ناچ ہے اور جسے اب ہندوؤں نے اپنا رکھا ہے، ہندوؤں سے واپس لے اور اکابر شاہانِ مغلیہ کے اِس ورثہ کو اس کے شایانِ شان ترقی دے۔ گانے بجانے میں، جو مُغلوں کے دور میں لڑکیوں کی تربیت کا جزو رہا ہے، کمال پیدا کرے اور بین الاقوامی نمائش فنون میں جو ۱۹۵۱ء میں لندن میں منعقد ہو رہی ہے، پاکستان کو دُنیا کے تہذیبی نقشہ (CULTURAL MAP) پر جگہ دلائے۔ صرف ایک شوہر تلاش کر لینا اور اس کی اطاعت و وفاداری اور بچّوں کی پرورش و نگہداشت میں پُوری زندگی کھپا دینا اِن حضرات کے نزدیک نہ کوئی مقصدِ زندگی ہے اور نہ باپ بھائی یا شوہر کی کمائی پر صبر و شکر کی زندگی گذار دینا عورت کے لیے کوئی قابلِ تعریف بات۔ اِن حضرات کے نزدیک عورت کی اصل قدر و قیمت اس بات میں ہے کہ قدرت نے اُس کو جن اسلحہ سے مُسلّح کیا ہے اُن سے لیس ہو کر گھروں کی چار دیواری سے باہر نکلے، ہالی وُڈ کے ذوّاقین و ذوّاقات کی طرح اپنے کمالاتِ فن دکھائے، دلوں کو تسخیر کرے، محفلوں میں نمایاں ہو، مجلسوں میں داد و تحسین حاصل کرے۔ سوسائٹی نے اگر اس آزادی پر کچھ اخلاقی اور شرعی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں تو ان سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو سوسائٹی اتنی معمولی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتی کہ موجودہ وقت کے تقاضے کچھ اور ہیں اور اب ماضی کی روایات اپنے اوپر لادے لادے پھرنا ممکن نہیں ہے، وہ سوسائٹی اس قابل نہیں ہے کہ اُس کی باتوں پر کان دھرا جائے۔ ان حضرات کے نزدیک قدرت کی طرف سے تو ہر عورت ہر مرد کے لیے "کھُلی ہوئی" ہے، صرف حُسنِ معاشرت کے خیال سے انسان نے از خود اپنے اوپر ازدواج و مناکحت کی پابندیاں عائد کر لی ہیں، اب اگر حُسنِ معاشرت کا مطالبہ یہ ہو کہ ہر عورت ہر مرد کے لیے پھر سے کھول دی جائے تو انسان اپنی عائد کردہ پابندی اُٹھا بھی سکتا ہے یا کم از کم اس کو کسی دوسری شکل میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اِن بزرگوں کے خیال میں عصمت فروشی بجائے خود کوئی بُرائی نہیں ہے، بُرائی اگر ہے تو عصمت فروشی میں بےبیا کی سے کام لینا ہے اور یہ بھی غالباً اِس لیے بُرا ہے کہ اس سے لوگوں کو کچھ منفرد غلط مثالیں مل جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ عورتوں کی آزادی کے معاملہ میں ذرا مذبذب ہو

جانتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ "حق بحقدار رسید" کا معاملہ خواہ کسی طرح بھی ہو، بجائے خود تو قابلِ اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

نظامِ اسلامی کے قیام کا دعویٰ

یہ خلاصہ ہے اس پیشِ نظر انقلاب کا جو ہمارے ارباب حل و عقد ہماری خواتین کی زندگیوں میں برپا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے یہ خلاصہ بیشتر خود انہی کے یا اُن کے نمائندوں اور کارندوں کے الفاظ میں یہاں رکھ دیا ہے تاکہ جو کچھ یہ حضرات چاہتے ہیں وہ بیک نظر خود پیش کرنے والوں ہی کے الفاظ میں ناظرین کے سامنے آجائے۔ پچھلے صفحات میں ہر چیز کے دلائل و شواہد پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ اگر اس کے کسی فقرہ کی صداقت میں کسی صاحب کو کچھ تردّد ہو تو وہ اس کے اصل و ماخذ کو بغیر زحمت کے معلوم کر سکیں۔

یہ ہے وہ اسلامی نظام جو ہمارے اربابِ کار اس ملک میں قائم فرمانا چاہتے ہیں اور جس کی تیاریوں میں وہ رات دن سرگرم ہیں۔ یہی ہے وہ چیز جس کی نسبت ہمارے وزیرِ اعظم صاحب نے فرمایا :۔

"پاکستان اس غرض کے لیے حاصل کیا گیا ہے تاکہ دنیا کو اسلامی اصولوں پر قائم ریاست کا نمونہ دکھایا جا سکے"۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ ۲۵ر جنوری ۱۹۴۹ء)

یہی ہے اس اسلامی حکومت کا تہذیبی نقشہ جس کی نسبت ہمارے وزیرِ اعظم صاحب نے ۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو کوہاٹ ضلع مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ میں فرمایا کہ اگر وہ پاکستان میں قائم نہیں کی گئی تو پاکستان زندہ نہیں رہ سکے گا۔

"جہاں تک لوگوں کی اس امنگ کا تعلق ہے کہ پاکستان میں اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت چلائی جائے۔ دستور ساز اسمبلی کی پاس کردہ قرار دادِ مقاصد اس کی کافی ضمانت ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ اگر ہم نے پاکستان میں اسلامی حکومت نہ قائم کی تو پاکستان زندہ نہیں رہ سکے گا .... ہم دنیا کو یہ دکھانے کا داعیہ رکھتے ہیں کہ فقط اسلام ہی وہ اصولِ زندگی ہے جو دنیا کے موجودہ مصائب کا خاتمہ کر سکتا ہے"۔ (پاکستان ٹائمز لاہور مورخہ ۹ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

یہی ہے وہ اسلامی نظام جس کا ذکر ہمارے وزیرِ اعظم صاحب نے ۲۵ر نومبر ۴۹ء کو کراچی میں بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے ان شاندار الفاظ میں فرمایا:-

" پاکستان بس ایک اور صرف ایک ہی آرزو رکھتا ہے اور اس کی وہ آرزو ہے خدمتِ اسلام اور خدمتِ بنی نوعِ انسان .... میرا یہ محکم یقین ہے کہ آج کی دنیا جن مشکل مسائل سے دوچار ہے ان کو صرف اسلام ہی حل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام انسانی زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے ایک کو مذہب کے اور دوسرے کو دنیا کے حوالہ نہیں کرتا۔ وہ اپنے پیروؤں کی پوری زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی ____ اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ وہ ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ اپنے آپ کو پورے طور پر خدا کے حوالہ کر دینا اس کی تعلیم ہے۔

('ڈان' کراچی - مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۹۴۹ء)

یہی ہیں اسلام کے وہ بہترین اُصول جن سے بہتر اُصول دنیا پیدا نہیں کر سکی اور جن کے مطابق پاکستان کی حکومت کو بنانے کا عزم وزیرِ اعظم صاحب نے اِن پُر شوکت الفاظ میں ظاہر فرمایا:-

" مَیں نے حصولِ پاکستان سے قبل مسلمان رائے دہندوں سے جو وعدے کئے تھے مَیں انہیں بھولا نہیں ہوں۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکام کے قالب میں ڈھال سکیں۔ ہم نے ایک ایسے مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا تھا جہاں ایک ایسی حکومت بنائی جا سکے جو اسلامی اُصولوں پر مبنی ہو جن سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر سکی۔ اس مقصد کے لیے ہزارہا مسلمانوں نے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ تقریباً ستر[1] لاکھ مسلمانوں نے اسی مقصد کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا اور مرتے کٹتے پاکستان تک پہنچے۔ ہم نے مسلمان عوام سے جو وعدہ

---

[1] اب یہ گواہی اُن ستر لاکھ مہاجرین کے ذمہ ہے جو مرتے کٹتے پاکستان پہنچے ہیں کہ کیا واقعی انہوں نے اپنی جان، مال، آبرو اسی لیے لٹائی اور اپنے گھر بار اسی لیے چھوڑے کہ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھیں)

کیا تھا، اب ہمیں اسے پورا کرنا ہے اور ایک ایسی حکومت قائم کرنی ہے جس کا نصب العین سچا اسلامی نصب العین ہو۔ دنیا کو آج اسلام کی ضرورت ہے۔"

(نوائے وقت، ۸؍ جنوری ۱۹۵۰ء)

یہی ہے اسلام کا وہ مستقل نظامِ حیات جو ہمارے وزیرِ خزانہ نے مدّت العمر کے مطالعہ کے بعد دریافت فرمایا ہے اور جس کی تحسین وہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"ہمارا ایک مستقل نظامِ حیات ہے، ہمارا ایک الگ تمدن ہے، ہمارے اپنے طور طریقے ہیں اور ہم انہی کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب اسلامی اصولوں کے مطابق متحد ہونا اور انہی کے ذریعہ عروج حاصل کرنا چاہتے ہیں[1]"

(پاکستان ٹائمز لاہور۔ مورخہ ۸؍ دسمبر ۱۹۴۹ء)

اور یہی ہے "مقدّس پیغمبر" کا وہ طریقہ جس کی طرف واپس آنے کی تلقین بیگم لیاقت علی خاں اور اُن کے زمرہ کی دوسری بیگمات میلاد کی مجلسوں میں مسلمان عورتوں کو فرمایا کرتی ہیں۔

یہ حضرات اگر یہ فتنہ تنہا اپنے بل بوتے پر اٹھاتے اور اسلام کو اس بیچ میں نہ گھسیٹتے تو جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا ہے، یہ چیز کچھ ایسی تشویش انگیز نہیں تھی۔ ہزار جہالت کے باوجود ابھی ہماری قوم میں اتنی اخلاقی و مذہبی حِس باقی ہے کہ آسانی کے ساتھ اس راستہ پر نہیں جا سکتی جس پر یہ حضرات اس کو ڈال دینا چاہتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہالی وُڈ کی اس تہذیب کو مدینہ کے دَورِ صحابہؓ کی تہذیب کے نام سے اور اس سرتاسر جاہلی اور شیطانی نظامِ معاشرت کو اسلامی نظامِ معاشرت کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے جس کی وجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ ہندوستان میں اپنی عورتوں کو بے پردہ کرنا چاہتے تھے اور ہندو انہیں اس "اسلامی تہذیب" اور ان "اسلامی احکام" پر عمل کرنے سے روک رہے تھے؟

[1] بہتر ہوگا اگر ناظرین ۹؍ فروری ۱۹۵۰ء کے "ڈان" میں آذوری صاحبہ کے اس رقص کے اشتہار پر بھی ایک نظر ڈال لیں جس کے آنریبل وزیرِ خزانہ کے زیرِ سرپرستی انعقاد کا اعلان ہوا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ اسلامی اصولوں کے مطابق عروج حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

سے دین سے بے خبر مسلمانوں کا ایک طبقہ اور ان کی عورتیں اس فتنہ کا شکار ہو رہی ہیں اور اندیشہ ہے کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس میں مبتلا ہو جائیں۔ اس وجہ سے ہم ان حضرات کے اس پیش نظر انقلاب کے ان تینوں پہلوؤں پر، جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں تنقید کر کے دیکھیں گے کہ جس اسلام اور جس اسلامی نظام کی محبت میں یہ لوگ چُور ہیں کیا فی الواقع وہ مساواتِ مرد و زن کے اس نظریہ اور ان معاشرتی و اخلاقی تصورات کو کسی درجہ میں بھی قبول کرتا ہے جن کو ہمارے یہ اربابِ کار اس زعم اور اس ڈھٹائی کے ساتھ اسلام کے نام سے پیش کر رہے ہیں؟

نظریہ مساوات مرد و زن

شریعت کی کسوٹی پر

اسلامی نظریۂ مساوات اور مغربی نظریۂ مساوات کا فرق

اسلام کے معاشرتی و اجتماعی نظام کا جس شخص نے تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہوگا وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام مرد و زن میں مساوات تو بلاشبہ تسلیم کرتا ہے لیکن وہ مساوات اس مساوات سے بالکل مختلف ہے جس کے قائل مِل[1] اور لینن (LENIN) کے معتقدین ہیں۔

یہ لوگ جس مساوات کے قائل ہیں وہ تو یہ ہے کہ قدرت نے جن قوتوں اور قابلیتوں سے مرد کو مسلّح کیا ہے اور مرد جو کچھ کر سکتا ہے، عورت بھی وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اس لیئے معاشرہ میں عورت و مرد کی جدّ و جہد کا دائرہ بھی ایک ہی ہونا چاہیئے اور لازماً ان کے حقوق و فرائض بھی بالکل ایک سے ہونے چاہئیں۔

اس کے برعکس اسلام جس مفہوم میں عورت و مرد کی مساوات کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ جس نفسِ واحدہ سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو پیدا کیا ہے اُسی نفسِ واحدہ سے عورت کو پیدا کیا ہے، جس طرح مرد اس نظامِ کائنات کا ایک ضروری عنصر ہے اور قدرت نے ایک خاص مقصد سے اِس کو تخلیق کیا ہے اسی طرح عورت بھی اس کائنات کی مشین کا ایک ضروری پُرزہ ہے اور قدرت نے اس کی تخلیق سے ایک ضروری غرض وابستہ کی ہے، جس طرح مرد قدر و احترام کا مستحق ہے، اسی طرح عورت بھی قدر و احترام کی حقدار ہے، جس طرح

[1] جان سٹیورٹ مِل (۱۸۰۶-۱۸۷۳) JOHN STUART MILL

مرد کچھ خاص قابلیتیں اور قوتیں لے کر آیا ہے اسی طرح عورت بھی کچھ مخصوص قوتیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوئی ہے۔ جس طرح مرد اپنے کچھ خاص جذبات و عواطف اور کچھ فطری مقتضیات و مطالبات رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے کچھ خاص رجحانات و میلانات اور کچھ فطری مطالبات و مقتضیات رکھتی ہے۔ اس لیے عورت اور مرد دونوں کو اپنے اپنے فطری رجحانات و میلانات کے مطابق سورج اور چاند کی طرح اپنے اپنے دائروں میں قدرت کے منشا کی تکمیل میں سرگرم رہنا چاہیئے، نہ سورج کو یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ چاند کی سرگرمیوں میں خلل انداز ہو اور نہ چاند کو یہ آزادی ملنی چاہیئے کہ وہ سورج کے کاموں میں کوئی مزاحمت پیدا کر سکے۔ معاشرے کے اندر دونوں پر ان کی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ذمّہ داریاں ہونی چاہئیں اور ان کی ذمّہ داریوں کے اعتبار سے ان کو حقوق ملنے چاہئیں۔ ہر ایک کی تخلیق سے فطرت کا جو منشا ہے اس کو وہ فطرت کے ضابطوں کے تحت اپنے اپنے حدود کے اندر یکساں آزاد اور یکساں پابند رہ کر پورا کرے۔

مساوات کے یہ دونوں نظریے اپنی اساس و بنیاد اور اپنے نتائج و اثرات میں اتنے مختلف ہیں کہ جس طرح مشرق و مغرب کو یکجا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان دونوں نظریات کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ مغربی نظریۂ مساوات کے معتقد ہیں تو اسلام کا نام لینا چھوڑ دیجیئے اور اگر اسلام کے نظریۂ مساوات پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر سلامتی اسی میں ہے کہ اس کے مخالف رجحان سے استعفیٰ دیجئے۔ ان دونوں نظریات کی اساس پر حیاتِ اجتماعی کی جو عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں وہ اپنی بنیاد، اپنے ڈھانچہ، اپنے طرزِ تعمیر اپنی ہیئتِ مجموعی اور اپنے سکونتی فوائد و مقاصد کے لحاظ سے اس درجہ مختلف النوع ہوتی ہیں کہ ممکن نہیں ہے کہ ایک کا پیوند دوسرے کے ساتھ لگایا جا سکے اور اگر اس قسم کی کوئی کوشش کی گئی تو اس سے ہماری حیاتِ اجتماعی کے کسی ایک ہی گوشہ میں بھینگاپن نہیں پیدا ہوگا۔ بلکہ یہ ایک غلطی ہمارے پورے نظامِ اجتماعی کو بھینگا اور بے ہنگم بنا کے رکھ دے گی۔ نقصانِ مایہ اور شماتتِ ہمسایہ کے سوا اس شُترگربگی کا کچھ اور حاصل نہیں نکلے گا۔

مغربی نظریۂ مساوات اپنی سادہ اور ابتدائی حالت میں بہت معصوم نظر آتا ہے اور جذبات کی رَو میں بہنے والے مردوں اور عورتوں کو اپیل بھی کرتا ہے۔ لیکن جب اس کو بنیاد قرار دے کر اس پر حیاتِ اجتماعی کی تعمیر شروع کی جاتی ہے تب اس کے عیوب کھلنے شروع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اجتماعیات میں معمولی درک رکھنے والا شخص بھی یہ محسوس کر لیتا ہے کہ جس نظامِ اجتماعی کی بنیاد اس نظریہ پر ہے اس کی بنیاد درحقیقت ریت پر ہے جس کا گر جانا ہر وقت متوقّع ہے۔ اس کے بُرے اثرات جو معاشرے، اور حیاتِ اجتماعی پر مترتّب ہوتے ہیں ان کو تفصیل کے ساتھ تو ہم انشاء اللہ مستقل عنوان سے بیان کریں گے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام عورت اور مرد کو مساوی قرار دینے کے باوجود ان کی صنفی و فطری صلاحیّتوں کے لحاظ سے نظامِ اجتماعی میں اُن کو الگ الگ استعمال کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اُسی مقام میں رکھتا ہے جس مقام میں وہ بہتر طریق پر معاشرے کو اپنی قابلیّتوں سے فائدہ پہنچا سکیں۔ برعکس اس کے مغربی نظریۂ مساوات جب ایک مرتبہ اس اُصُول کو مان لیتا ہے کہ عورت و مرد دونوں مساوی پیدا ہوئے ہیں تو پھر وہ ان کے صنفی و فطری میلانات کی بنا پر بھی ان کے درمیان کوئی فرق تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اور دونوں کو بالکل ایک ہی حیثیّت سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس چیز کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر عورت اپنے صحیح محل کے سوا دوسرے محل میں استعمال کی جاتی ہے تو اس سوءِ استعمال کا مُضر اثر خود اس پر بھی مترتّب ہوتا ہے اور اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر معاشرہ بھی اس سے متاثّر ہوتا ہے، اسی طرح اگر مرد کو اس کے صحیح محل کے سوا جہاں کے لیے اس کی قابلیّتیں تقاضا کر رہی ہوتی ہیں، کسی دوسرے محل میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازمًا اس کا اثر بھی یہی ہوتا ہے کہ ایک طرف مرد کی صلاحیّتیں اس سے نقصان اٹھاتی ہیں اور دوسری طرف معاشرہ اس کی قابلیّتوں اور صلاحیّتوں کے فوائد کے ایک بڑے حصّہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت میں عورت اور مرد دونوں میں سے کسی کے لیے بھی کوئی ہیٹے پن اور حقارت کا پہلو نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک بعض کاموں

کے لیے موزوں ہے اور بعض کاموں کے لیے ناموزوں۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ مرد بار آور کر سکتا ہے لیکن حاملہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح عورت حاملہ تو ہو سکتی ہے لیکن بار آور نہیں کر سکتی۔ لیکن نہ تو حاملہ نہ ہو سکنا مرد کے لیے کوئی شرم کی بات خیال کرتے ہیں اور نہ بار آور نہ کر سکنا عورت کے لیے کوئی حقارت کی بات سمجھتے ہیں بلکہ نوعِ انسانی کی سلامتی اور اس کا بقا اسی میں دیکھتے ہیں کہ دونوں بغیر کسی منازعت و منافست کے اپنی اپنی قابلیت پر قانع رہیں اور جو کر سکتے ہیں اس کو چھوڑ کر جو نہیں کر سکتے اس کے کرنے کے خبط میں نہ مبتلا ہوں ورنہ یہ منازعت دنیا کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ پھر تعجب ہے کہ اسی طرح لوگوں کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ مرد میدانِ جنگ کے معرکے تو سر کر سکتا ہے لیکن گھر گرستی کی اُلجھنوں کو سلجھانا اُس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس عورت گھر سنبھالنے کے لیے تو خداداد قابلیت اور خداداد عزم و ہمت لے کر آئی ہے لیکن میدانِ جنگ کے معرکوں کو سر کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ اور اگر دونوں اپنے اپنے دائرے کے اندر اپنے مناسبِ حال فرائض انجام دینے کے بجائے آپس میں فرائض کے مبادلہ کی کوشش کریں گے یا اس قدرتی و فطرتی تقسیم کی حد بندیوں کو توڑ کر مرد عورت کے حُدود میں در آنے اور عورت مرد کے حُدود میں گھس جانے کے لیے زور لگائے گی تو اُس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا کہ دونوں کی قابلیتیں بھی برباد ہوں گی اور دونوں کے متعلقہ فرائض بھی ناادا شدہ رہ جائیں گے اور پھر اس کا لازمی نتیجہ پوری حیاتِ اجتماعی کے اختلال و انتشار کی صورت میں برآمد ہوگا۔

عورت و مرد کی تخلیق کے ساتھ قدرت نے جو فرائض وابستہ کیے ہیں ان میں سے ہر فرض بجائے خود اتنا ہی اَہم اور اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ دوسرا فرض۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ گھر کا سنبھالنا کم اَہم ہے اور دفتر کا سنبھالنا زیادہ اہم ہے یا بچّوں کی پرورش کرنا ایک حقیر کام ہے اور سپہ گری یا تجارت ایک شریفانہ کام ہے۔ نظامِ معاشرت و اجتماع کے حفظ و بقا کے جتنے کام بھی ہیں سب یکساں اَہم اور یکساں ضروری ہیں اور معاشرہ کا جو پرزہ ان کاموں میں سے جس کام کی انجام دہی کے لیے بھی بنا ہے اگر وہ اس کو ٹھیک ٹھیک

انجام دے رہا ہے تو مجموعی مشین کے اندر اس کی قدر و قیمت کسی بڑے سے بڑے پُرزے کے برابر ہے اور اس کو حقیر سمجھنے اور نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

نظامِ کائنات کو فاطرِ کائنات نے اس اُصول پر بنایا ہے کہ اس کے تمام اجزاء و عناصر ایک دوسرے کے لیے محتاج اور محتاج الیہ بن گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کسی پہلو سے ناقص اور کسی پہلو سے مستغنی ہے، ہر ایک کسی اعتبار سے مطلوب اور کسی اعتبار سے طالب بھی ہے اور اپنی باہمی سازگاری اور تعاون سے یہ اپنے اپنے خلا کو بھرتے اور اپنے اپنے نقص کی تلافی کرتے ہیں۔ زمین اور آسمان، شب اور روز، گرمی اور سردی، برّ اور بحر ان سب ہیں اسی نوعیّت کا رابطہ ہے۔ ان میں سے بجائے خود نہ کوئی دوسرے سے مستغنی ہے اور نہ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ اس نظامِ کائنات میں جو مقام اس کا ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے یا جو مقصد اس کے ذریعہ سے پورا ہو رہا ہے وہ کسی درجہ میں اور کسی نوعیّت سے اس مقصد سے ارفع ہے جو دوسرے کے ذریعہ سے پورا ہو رہا ہے —— غور کیجیے کہ اس اعتبار سے ان تمام اجزائے مختلفہ میں جو حیرت انگیز مساوات ہے کیا کوئی شخص اس مساوات کا انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ لیکن اس مساوات کے باوجود کبھی آپ نے دیکھا کہ محض اس زعم کی بنیاد پر کہ ہم آپس میں بالکل مساوی ہیں، زمین آسمان سے جا ٹکرائی ہو، چاند نے سورج کے مدار میں گردش شروع کر دی ہو، رات نے دن کے حدود میں مداخلت کر دی ہو، سردی نے گرمی کا رُوپ دھارن کر لیا ہو اور سمندر نے خشکی پر یلغار کر دی ہو —— اگر خدانخواستہ یہ ہو جائے، اور دن دو دن کے لیے نہیں صرف منٹ اور سیکنڈ ہی کے لیے ہو جائے، تو یہ سارا نظامِ کائنات درہم برہم ہو کے رہ جائے۔

ٹھیک اسی اُصول پر عورت اور مرد دونوں مساوی بھی ہیں لیکن دونوں کے حدودِ عمل الگ الگ بھی ہیں اور ہمارے معاشرہ کا حفظ و بقاء منحصر ہے اس بات پر کہ ہم دونوں کو یکساں عزّت و احترام کا مستحق بھی سمجھیں اور دونوں کو الگ الگ بھی رکھیں۔ اگر ہم نے ان میں سے کسی کو بھی حقیر جانا تو سرے سے اس نظام ہی کو درہم برہم کر کے رکھ دیں گے جس کے بقاء کو قدرت بھی چاہتی ہے اور جس کا بقا خود ہمارے ابقاء کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے

اس تمہید کے بعد اب آئیے دیکھئے کہ اسلام عورت و مرد کی مساوات ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ کس طرح ان دونوں کیلئے الگ الگ حدود عمل مقرر کرتا ہے اور ان کو کشمکش اور تصادم سے بچانے کے لیے کس طرح ان کے حقوق و فرائض میں امتیاز کرتا ہے۔

معاشرے میں عورت و مرد کی مساوات کا اعلان قرآن مجید ان واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۔ (۱۔ نساء)	اے لوگو! اپنے اس خداوند سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پیدا کی اسی سے اس کی بیوی اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سارے مرد اور بہت ساری عورتیں۔ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے طالبِ مدد ہوتے ہو۔ اور ان رحموں کا پاس

کرو جو تمھارے اندر باہمی ہمدردی کی بنیاد ہیں۔ اللہ تمھارا نگران ہے۔

اس آیت نے عورت کی کہتری اور حقارت سے متعلق ان تمام تصورات کا خاتمہ کر دیا جو قدیم مذاہب اور تہذیبوں میں پائے جاتے تھے۔ اسلام کا اعلان یہ ہے کہ عورت کوئی حقیر و نجس وجود نہیں ہے، وہ کوئی لا یعقل اور بے مقصد ہستی نہیں ہے، وہ شیطان کی ایجنٹ یا گناہوں کی ٹھیکہ دار بنا کے نہیں اتاری گئی ہے[1] بلکہ جس نفسِ واحدہ سے مرد وجود میں آیا ہے اسی سے عورت بھی وجود میں آئی ہے اور جس طرح انسانی معاشرہ کا ایک اہم رکن مرد ہے اسی طرح اس معاشرے کی دوسری اہم رکن عورت ہے۔ اس معاشرے کا وجود، اس کا بقاء اور اس کا تسلسل ان دونوں میں سے کسی ایک ہی پر منحصر نہیں ہے کہ ساری اہمیت بس

[1] جیسا کہ بعض مذاہب نے بیان کیا ہے۔

اسی کو دے دی جائے اور نہ یہی بات ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر زیادہ اور دوسرے پر کم منحصر ہے کہ جس پر زیادہ منحصر ہے اس کو زیادہ اہمیت دی جائے اور جس پر کم منحصر ہے اس کا رتبہ گھٹا دیا جائے، بلکہ اس پہلو سے دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ خصوصیات اور صلاحیتیں دونوں الگ الگ لے کر آئے ہیں لیکن اس فرق کی وجہ سے ان میں سے کسی کے لیے بھی نہ اپنی ان خصوصیات پر مغرور ہونا یا ان کے سبب سے اپنے کو حقیر سمجھنا زیبا ہے اور نہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنا اور اس رشک کی وجہ سے ایک دوسرے کی ریس کرنے اور نقل اڑانے لگ جانا جائز ہے بلکہ دونوں کو اپنی خصوصیات کی قدر کرنی چاہیئے اور جس نے ان کو بخشا ہے اس کی سچی شکر گذاری اور اطاعت کے ساتھ معاشرہ کی خدمت میں بلحاظ اپنی اپنی استعداد اور اپنی اپنی قوت کے اپنا حصہ ادا کرنا چاہیئے اور دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر یہ ایمان رکھنا چاہیئے کہ خدا جو ان خدمات کا اجر دینے والا ہے، جس ترازو اور باٹ سے مرد کے لیے تولے گا اسی ترازو اور باٹ سے عورت کے لیے بھی تولے گا —— عورت سُگھڑپن کے ساتھ ایک گھر چلا کر وہی درجہ اور فضیلت حاصل کر سکے گی جو مرد ایمانداری اور سلیقہ کے ساتھ ایک دفتر چلا کر حاصل کر سکے گا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:-

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(۳۲ - نسآء)

اور اللہ نے عورت و مرد میں سے ایک کو دوسرے پر جو فضیلت دی ہے اس کے لیے ارمان نہ کرو۔ مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں سے حصہ مانگو۔ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے!

اس آیت سے ایک طرف تو یہ بات صاف ہوگئی کہ قدرت کی طرف سے جو خصوصیات عورت و مرد کو عطا ہوئی ہیں ان میں فضیلت کا پہلو کسی ایک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں دونوں برابر کے حصہ دار ہیں اور دوسری طرف یہ حقیقت واضح

ہو گئی کہ عورت و مرد دونوں کی سعادت و کامیابی اس بات میں ہے کہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنے اور اُن کی ریس کرنے کے بجائے ہر ایک اپنے اپنے حصّہ کی نعمتوں کے لیے شکر گذار رہے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔

قدرت نے اپنی فیض بخشیوں میں مرد یا عورت کسی کے ساتھ بھی بخالت نہیں کی ہے۔ مرد کے اندر اگر تخلیق و ایجاد کا جوہر عطا کیا ہے تو عورت کو اس تخلیق و ایجاد کے ثمرات و نتائج سنبھالنے کا سلیقہ و ہنر عطا فرمایا ہے۔ مرد کو اگر حکمرانی و جہانبانی کا حوصلہ عنایت کیا ہے تو عورت کو گھر بنانے اور گھر بسانے کی قابلیت بخشی ہے۔ مرد کو اگر کچھ خاص علوم و فنون سے طبعی لگاؤ ہے تو عورت کے لیے بھی کچھ خاص علوم و فنون ہیں جن سے اس کو فطری مناسبت ہے۔ مرد اگر اپنے اندر سختی، قوّت اور عزیمت کے اوصاف رکھتا ہے تو عورت بھی اپنے اندر دلکشی، شیرینی اور دلربائی کا جمال رکھتی ہے اور قدرت کے اس نگار خانہ کی زیب و زینت ان میں سے کسی ایک ہی رنگ کے اوصاف سے نہیں ہے بلکہ دونوں قسم کے اوصاف سے ہے۔ اس لیے نہ مرد کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ عورت کی دلربائی چُرا کر اور اُس کی اداؤں کی نقل اُڑا کر مرد مؤنّث (SHE WOMAN) بننے کی کوشش کرے اور نہ عورت کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ مرد کا رُوپ دھارن کر کے اور اُس کے حدود میں مداخلت کر کے زن مذکّر (HE WMAN) بننے کے لیے زور لگائے۔ جو عورتیں یا جو مرد اس قسم کی چھچھوری حرکتیں کرتے ہیں وہ درحقیقت قدرت کی تقسیم کا مذاق اڑاتے ہیں اس لیے ایسے مردوں اور ایسی عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس سلسلہ میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:۔

لعن المتشبہات من النسآء بالرجال (ابوداؤد)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال لعن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس مرد پر لعنت

الرجل يلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل (ابوداؤد)

لعنت کی ہے جو عورت کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مرد کا سا لباس پہنے۔

فقالت لعن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الرجلة من النساء (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنانِ مذکر پر لعنت فرمائی ہے۔

ایک اور روایت میں لعن المترجلات کے الفاظ ہیں اور یہ ساری احادیث مذکورہ بالا آیت کے مفہوم پر روشنی ڈال رہی ہیں کہ مردوں اور عورتوں میں سے کسی کے لیے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ اپنے فطری حدود لانگ کر دوسرے کے حُدود میں گھُسنے اور ایک دوسرے کی نقل اڑانے کی کوشش کریں بلکہ ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ کے اندر اپنی خصوصیات پر قائم رہتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اور اللہ سے یکساں اجر کی امید رکھنی چاہیئے۔

اس حقیقت کی ایک بہت بڑی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ایک واقعہ سے بھی ملتی ہے۔ اسمآءؓ بنتِ یزید انصاریہ ایک مشہور دیندار اور عقل مند صحابیہ اور مشہور صحابی حضرت معاذؓ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے جو سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرنے آئی ہوں اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میں گذارش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی اور گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہشِ نفس پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ وجماعت، جنازہ وجہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے، وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتی اور اُن کے بچوں کو سنبھالتی ہیں۔

تو کیا اجر میں بھی اُن کے ساتھ ہم کو حصّہ ملے گا؟ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سُنی ہے جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟ تمام صحابہؓ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ نہیں یارسول اللہ۔ اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت اسماءؓ کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا اے اسماءؓ! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔ حضرت اسماءؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں[1]۔

حضرت اسماءؓ نے صرف اپنے زمانہ ہی کی خواتین کی نمائندگی نہیں فرمائی بلکہ بعض پہلوؤں سے ہمارے زمانہ کی خواتین کی بھی پوری پوری نمائندگی کر دی ہے۔ اس زمانہ میں آزادیٔ نسواں کی علمبردار عورتیں جو کچھ کہتی ہیں اس کی ایک بڑی اہم وجہ یہی تو ہے کہ وہ فرائض ان کو حقیر نظر آتے ہیں جو قدرت نے ان کے سر ڈالے ہیں اور وہ فرائض ان کو معزّز و محترم نظر آتے ہیں جو مردوں سے متعلّق ہیں۔ اس وجہ سے وہ کہتی ہیں کہ یہ کیا ناانصافی ہے کہ ہم عورتیں تو زندگی بھر بچّے لادے لادے پھریں اور چولھے چکّی کی نذر ہو کے رہ جائیں اور مرد ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے فیصلے کرتے پھریں! اور پھر وہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کو بھی مردوں کے دوش بدوش ہر میدان میں جدّوجہد کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ حالانکہ وہ غور کریں تو اس بات کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہے کہ ایک مردِ مجاہد جو میدانِ جنگ میں جہاد کر رہا ہے اس کا یہ جہاد ہو نہیں سکتا جب تک اُس کے پیچھے ایک مجاہدہ بچّوں کے سنبھالنے اور گھر کی دیکھ بھال میں اپنی پوری قوّتیں صرف نہ کرے!!! میدانِ جنگ کا یہ جہاد گھر کے جہاد ہی کا ایک پَرتو ہے اور مرد کی یہ یکسوئی عورت کی قربانیوں کا ایک ثمر ہے اسلیے اگر مرد خدا کی راہ میں لڑ رہا ہے تو تنہا مرد ہی نہیں لڑ رہا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ

---

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر ج ۲ ص ۷۰۶

خدا کی وہ بندی بھی مصروفِ پیکار ہے جس نے مرد کو زندگی کے دوسرے محاذوں پر لڑنے سے سُبک دوش کر کے اس میدانِ جنگ کے لیے فارغ کیا ہے اور گھر کے مورچہ کو اس نے خود سنبھال رکھا ہے۔ جذبات سے الگ ہو کر صحیح صحیح موازنہ کر کے اگر دیکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں جہادوں میں سے کوئی بھی کم ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟ انصاف یہ ہے کہ دونوں یکساں ضروری ہیں اس لیے خدا کی نگاہوں میں دونوں کا اجر و ثواب بھی یکساں ہے۔

وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم نہیں کرتا

مرد و زن کے درمیان یہ مساوات تو اسلام تسلیم کرتا ہے، باقی رہی وہ مساوات جو اس نظریہ پر مبنی ہے کہ "مرد اور عورت دونوں مساوی پیدا ہوئے ہیں اس لیے انتظامِ ملک میں دونوں کو مساوی حصہ ملنا چاہیئے" یا اس نظریہ پر مبنی ہے کہ "مرد جو کچھ کر سکتا ہے عورت بھی وہ سب کچھ کر سکتی ہے" اور اس کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کا دائرۂ عمل ایک ہونا چاہیئے اور دونوں کے حقوق و فرائض بھی بالکل ایک سے ہیں تو اس مساوات کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر مساوات کا یہ تصور لے کر اسلام کے معاشرتی و اجتماعی نظام کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو نہ صرف اس کے سمجھنے میں ناکامی ہوگی۔ بلکہ اس قسم کی کوشش کرنے والے کو اسلام سے نہایت دل شکن مایوسی ہوگی اور اگر اس مفروضہ کے تحت آج عورتوں اور مردوں کو تربیت دینے کی کوشش کی گئی تو پوری سوسائٹی کا ذہن و فکر اور اس کی خواہشیں اور عادتیں ایک ایسے غلط سانچہ میں ڈھل جائیں گی کہ کل کو ان کے لیے صحیح اسلامی نظام کو قبول کرنا بالکل ناممکن ہو جائے گا۔ اور اگر فی الواقع آگے چل کر انہی نظریات پر کوئی اسلامی نظام بنانے کی کوشش کی گئی تو اس کے بنانے کے لیے ناگزیر ہوگا کہ شیخ الاسلامی کے لیے سر آغا خاں بالقابہ کی خدمات جس قیمت پر حاصل ہو سکیں، حاصل کی جائیں، کیونکہ اُن کے سوا کوئی دوسرا اس کارِ عظیم کا اہل نہیں ہے اور اس میں تو ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جو "اسلامی نظام" اس اساس پر بنے گا وہ ایک نہایت ہی نادرہ اور انوکھی چیز ہوگا جیسا

کہ ہمارے وزیر اعظم صاحب نے پہلے ہی سے خبر دے دی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آکر اس کو دیکھیں تو یقیناً یہی اعتراف فرمائیں گے کہ یہ وہ اسلام نہیں ہے جو آپ لائے تھے۔

مساوات کے اس نظریہ کو رہنما بنا کر اگر آپ آگے چلیں گے تو ہر قدم پر اسلام سے آپ کی لڑائی ہو گی اور یہ لڑائی صرف اُس اسلام سے نہیں ہو گی جسے آپ فقہاء اور ملّاؤں کا اسلام کہتے ہیں بلکہ براہِ راست اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کے احکام سے لڑائی ہو گی اور آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہے گا کہ یا تو اس غلط نظریہ سے استعفا دے کر سیدھے سیدھے اسلام کو قبول کریں یا پھر صاف صاف اپنے ارتداد کا اعلان کر دیں اور قرآن و رسول ؐ کی اطاعت سے الگ ہو کر جس وادی میں آپ کا جی چاہے بھٹکتے پھریں۔

مساوات کا یہ نظریہ یوں تو ہر مرحلہ میں قرآن سے متصادم ہو گا جس کا صحیح صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکے گا جب اس کا جوڑ قرآن کے ساتھ لگانے کی کوشش کی جائے گی لیکن ہم یہاں بھی چند واضح مثالیں پیش کیے دیتے ہیں تاکہ جو لوگ اس تصادم کی نوعیت کا کچھ اندازہ کرنا چاہیں وہ اس کا ایک سرسری اندازہ پہلے سے کر لیں۔

یہ نظریہ جیسا کہ واضح ہو چکا ہے معاشرتی و اجتماعی دائرہ کے اندر مرد و زن کی کامل مساوات کا مدّعی ہے اور کسی پہلو سے بھی مرد کے لیے کسی قسم کی ترجیح تسلیم کرنے کا روادار نہیں ہے، نہ حقوق میں نہ فرائض میں، لیکن قرآن مجید اس کے برعکس ایک طرف تو یہ تسلیم کرتا ہے کہ عورت بھی ذمّہ داریوں کے ساتھ ساتھ حقوق رکھتی ہے اور اس کے حقوق بھی اسی طرح قطعی اور واجبُ الادا ہیں جس طرح مرد کے حقوق قطعی اور واجب الادا ہیں اور دوسری طرف معاشرتی نظام میں وہ مرد کو عورت پر ایک درجہ ترجیح دیتا ہے، اور اس ترجیح کو نظامِ معاشرت میں توازن قائم رکھنے کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کیونکہ خاندان کی کفالت کا اصلی بوجھ مرد اٹھاتا ہے (اور اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے وہی اس بوجھ کے اٹھانے کے لائق ہے) اس لیے ضروری ہے کہ اس ذمّہ داری کی زیادتی کی نسبت

سے اس کا حق بھی زیادہ ہو۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲۲۸ - بقرہ)

اور عورتوں پر جس طرح ذمّہ داریاں ہیں اسی طرح دستور کے مطابق ان کے حقوق بھی ہیں۔ البتہ مردوں کے لیے ان کے اوپر ایک درجہ ترجیح کا ہے۔

اس ترجیح کی نوعیّت اور اس کے وجوہ کو دوسرے مقام میں یوں واضح کیا ہے کہ چونکہ خاندان کی کفالت کا بوجھ اٹھانے کی قابلیّت اللہ تعالیٰ نے مرد ہی میں رکھی ہے اور اس بنا پر بیوی بچّوں کے نفقہ کا قانونی ذمّہ دار مرد ہی ہے، عورت نہیں ہے۔ اس لیے مرد ہی اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کو عورت کا سردار اور قوّام بنایا جائے۔ فرمایا:۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط (۳۴ - سورۂ نساء)

اور مردوں کو عورتوں پر قوّام بنایا گیا ہے۔ اس سبب سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر بعض اعتبارات سے ترجیح دی ہے اور نفقہ کی ذمّہ داری مردوں پر ڈالی ہے۔ پس نیک بیبیوں کو سزاوار ہے کہ فرمانبرداری کرنے والی اور رازوں کی حفاظت کرنے والی ہیں بوجہ اس کے کہ اللہ نے اس چیز کی حفاظت کی ہے

اس نظریّہ کا لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ عورتوں کو بھی وراثت میں مردوں کے برابر برابر حصّہ دیا جائے جیساکہ اس نظریہ پر ایمان رکھنے والے بعض مسلمان ممالک مثلاً ٹرکی میں قانوناً اس کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن اسلام نے جیساکہ ہم نے بیان کیا، خاندان میں نفقہ کی اصلی ذمّہ داری مرد پر ڈالی ہے اس لیے اس نے وراثت میں مرد کو عورت کا دوگنا حصّہ دیا ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۝ (۱۱ - سورۂ نساء)

اور اللہ تمہاری اولاد کے بارہ میں یہ ہدایت کرتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصّہ دو!

اسی طرح مساوات کا یہ نظریہ مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ جب چاہے مرد کو طلاق دے سکے۔ چنانچہ ٹرکی میں عورت کو یہ حق بخشا جا چکا ہے لیکن اسلام نے عورت کو مرد کی جبیرہ دستیوں سے بچانے کے لیے قانون میں ضروری تحفظات تو ضرور رکھے ہیں لیکن خاندان کے نظام کو مستحکم رکھنے کے لیے عقدۂ نکاح کے بست وکشاد کا حق صرف اس کو دیا ہے جس کو اس نے قوّام بنایا ہے۔

اَوْ یَعْفُوَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ (۲۳۷- بقرہ)	یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں سررشتۂ نکاح ہے، اور تمہارا ہی معاف کرنا مقتضائے تقویٰ ہے۔ اور اپنے درمیان جو فضیلت حاصل ہے اس کو فراموش نہ کرو !

عام بشری فرائض میں بھی اس نظریہ کے بالکل خلاف اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان فرق کیا ہے اور عورت کو ذمہ داریوں سے الگ رکھا ہے اور اگر ناگزیر حالات میں کوئی بوجھ اس پر ڈالا بھی ہے تو اس کے فطری ضعف کا اعتبار کر کے اس کے کسر کا جبر مہیا کیا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی ؕ (۲۸۲- بقرہ)	اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا سکے۔

اس نظریہ کے بموجب تمام مدنی وسیاسی حقوق و فرائض میں عورت کو بھی مرد کے دوش بدوش حصہ لینے کا پورا حق ہے۔ تمام اجتماعی سرگرمیوں میں اس کو مردوں کے برابر برابر حصہ لینے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ ملازمتوں میں خواہ سول ہوں یا فوجی، اس کی پوری نمائندگی ہونی چاہیئے، دوسری تمام سیاسی سرگرمیوں میں بھی اس کی شرکت پر کوئی قدغن نہیں

ہونی چاہیئے۔ لیکن اسلام اُس کے برعکس معاشرت و تمدّن کی دوسری ضروری اور اہم خدمات کے لیے عورت کو ان جھمیلوں سے الگ رکھنا چاہتا ہے اور ان کاموں میں اس کی شرکت کو خود ان کاموں کے لیے بھی ضرر رساں قرار دیتا ہے اور ان دوسرے مقاصد کے لیے بھی نقصان دہ خیال کرتا ہے جو پوری خوش اسلوبی کے ساتھ صرف عورت کے ہاتھوں ہی انجام پا سکتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

اسلام کے قانون کی رُو سے عورت نماز میں مردوں کی امام نہیں ہو سکتی اور اگر کسی مرد کی اقتداء میں وہ نماز ادا کرے تو اس کے لیے بھی بعض شرطیں ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے۔ اس حکم کی وجہ عورت کی کمتری یا مرد کی فضیلت نہیں ہے، بلکہ یہ سرتاسر اسلام کے اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ عورت کی فطری و جنسی خصوصیات اور مرد کے جنسی میلانات کی وجہ سے عورت کی امامت میں یہ کھُلا ہوا اندیشہ ہے کہ نماز کا وہ اخلاقی اور روحانی مقصد ہی فوت ہو جائے جس کے لیے نماز فرض کی گئی ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اسلامی قانون کی رُو سے عورت مجسٹریٹ اور جج وغیرہ بھی نہیں بن سکتی[1]۔ بعض فقہاء نے اگر اس کی اجازت دی بھی ہے تو بہت سے مستثنیات اور شرائط کے ساتھ اس کی بنیاد بھی عورت کی حقارت پر نہیں ہے بلکہ ان مناصب کی ذمہ داریوں اور ان فرائض کے لحاظ پر ہے جو فطرت نے خاص طور پر عورتوں سے وابستہ کیے ہیں۔

عورت کی امارت کے متعلّق خود حدیث میں یہ تصریح ہے :-

عن ابی بکرۃ قال لما بلغ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان اھل فارس ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ۔ (رواہ احمد والبخاری والنسائی والترمذی وصحیحہ)	ابوبکرہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ معلوم ہوا کہ اہل ایران نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمام کار ایک عورت کے حوالہ کر دی ہے۔

[1] نیل الاوطار۔ ج ۸ ص ۲۴۰

یہی روایت بخاری میں ایک اور پہلو کی وضاحت کے ساتھ آئی ہے

عن ابی بکرۃ قال لقد نفعنی اللّٰہ بکلمۃ سمعتہا من رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معھم قال لما بلغ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان اھل فارس قد ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرءۃ۔

(بخاری کتاب النبیّ الی کسریٰ)

ابو بکرہ سے روایت ہے کہ ایک بات جو میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنی تھی اس نے مجھے جنگِ جمل کے زمانہ میں فائدہ پہنچایا جب کہ قریب تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ شریک جنگ ہو جاؤں۔ وہ بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنے تخت پر بٹھایا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فائز المرام نہیں ہوسکتی جو اپنی حکومت ایک عورت کے سپرد کر دے۔[1]

فوج میں عورتوں کی شرکت کا حال یہ ہے کہ احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں بعض مثالیں اگرچہ ملتی ہیں کہ کبھی کبھی بعض عورتیں اپنے شوہروں یا دوسرے عزیزوں کی معیّت میں اسلامی فوج کے ساتھ نکلی ہیں لیکن اس نکلنے کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی کہ مدافعت یا جہاد میں حصّہ لینا عورتوں پر بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں پر فرض ہے اسلام میں فریضۂ جہاد اصلاً اور اوّلاً مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے عورتوں کو براہِ راست جہاد میں حصّہ لینے کی نہ کبھی دعوت دی اور نہ کبھی ان کی شرکت پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عرب کے دستور کے مطابق اگر کچھ خواتین اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ہمراہ نکل پڑیں تو ان کو مریضوں کی تیمار داری، زخمیوں کی مرہم پٹی، کھانا پکانے اور اس قسم کی خدمات میں حصّہ لینے کا موقع بھی دیا گیا اور مالِ غنیمت میں سے بھی بطورِ حصّہ کے نہیں بلکہ بطورِ عطیہ کے ان کو کچھ دے دیا گیا۔ لیکن نہ تو عورتیں اپنے عزیزوں کے بغیر کبھی ان غزوات میں نکلیں، نہ ان کو کبھی جنگ میں حصّہ لینے کی دعوت

[1] جنگِ جمل میں فوج کی اصلی قیادت درحقیقت حضرت عائشہ کر رہی تھیں۔ ابو بکرہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے۔

دی گئی، نہ براہِ راست جنگ میں حصہ لینے کا ان کو موقع دیا گیا، نہ مالِ غنیمت میں اُن کو بحیثیت حصہ دار کے شریک کیا گیا اور نہ جنگوں میں ان کی شرکت کی حوصلہ افزائی ہی کی گئی۔ چند صحیح احادیث ملاحظہ ہوں۔

عن عائشۃ، انھا قالت یا رسول اللہ نری الجہاد افضل العمل افلا نجاھد قال لا لکن افضل الجہاد حج مبرور۔

(رواہ احمد والبخاری)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ ہم جہاد کو سب سے زیادہ افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل نیکی حجِ مقبول ہے۔

بُخاری کے الفاظ یہ ہیں :۔

جہادکن الحج

تمہارا جہاد حج ہے

اُمِ ورقہ بنتِ نوفل کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے بدر میں شرکت کی اجازت مانگی تو آپؐ نے اُن کو اجازت نہیں دی۔ وہ قرآن کی عالمہ تھیں۔ انہوں نے پھر آپؐ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ ان کو نماز اور تعلیم قرآن کے لیے اپنے گھر میں عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے اُن کو اس بات کی اجازت دے دی۔ چنانچہ محلہ کی عورتیں ان کے ہاں جمع ہوتیں اور وہ ان کی امامت کرتیں[1]

پردہ کے احکام نازل ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حوصلۂ شرکتِ جہاد کے خلاف ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا تھا، تاکہ یہ لے زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ چنانچہ غزوۂ خیبر سے متعلق یہ روایت ملتی ہے :۔

عن حشرج بن زیاد عن جدتہ ام ابیہ انھا خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ خیبر سادس ست نسوۃ فبلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلیں۔ پانچ عورتوں کے ساتھ چھٹی وہ تھیں۔ کہتی ہیں کہ جب آنحضرت

[1] ابوداؤد۔ باب امامت النساء

فبعث الینا فجئنا فرأینا فیہ الغضب۔ فقال مع من خرجتن وباذن من خرجتن؟ فقلنا یا رسول اللہ خرجنا نغزل الشعر ونعین فی سبیل اللہ و معنا دواء للجرحی ونناول السھام و نسقی السویق قال قمن فانصرفن حتی اذا فتح اللہ علیہ خیبر اسھم لنا کما اسھم للرجال فقلت لھا یا جدۃ و ما کان ذلک قالت تمرًا۔

(رواہ احمد و ابو داؤد)

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہم کو بلوا بھیجا۔ ہم حاضر ہوئیں تو ہم نے آپؐ کو غضبناک پایا۔ آپؐ نے پوچھا تم کس کے ساتھ نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں؟ ہم نے جواب دیا یا رسول اللہ! ہم چلی آئی ہیں، اُون کاتتی ہیں، کچھ اللہ کا کام کرتی ہیں، ہمارے ساتھ کچھ مرہم پٹی کا سامان بھی ہے۔ ہم تیر پکڑا دیں گی، ستو گھول کے پلا دیں گی۔ آپؐ نے فرمایا، چلو، واپس جاؤ۔ پھر جب اللہ نے خیبر فتح کرا دیا تو آپؐ نے ہم کو مردوں کی طرح حصّہ دیا[1] میں نے پوچھا کہ دادی! کیا چیز ملی، تو فرمایا کھجور۔

صدرِ اوّل کی پوری تاریخ میں عملی سیاست میں کسی عورت کے حصّہ لینے کی اگر کوئی قابلِ ذکر مثال ملتی ہے تو وہ صرف اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ملتی ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا مطالبہ کیا اور اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ سے اُن کی وہ جنگ ہوئی جس کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حق پر کون تھا اور کس سے اجتہاد کی غلطی صادر ہوئی، اس امر سے اس موقع پر بحث نہیں ہے۔ ہم صرف اس سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ ایک عورت کی حیثیت سے اس معاملہ میں پڑنا ام المؤمنین کے لیے صحیح تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق متعدد صحابہ اور صحابیات کی رائیں رجال و تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن چونکہ وہ ایک فریق کی جانبداری پر محمول کی جا سکتی ہیں اس لیے ہم یہاں ان کو نقل نہیں کریں گے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے پیش کرتے ہیں جو دو پہلوؤں سے اہمیت رکھتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو اس سارے جھگڑے میں غیر جانبدار

[1] حصّہ سے مراد یہاں مردوں کی طرح مالِ غنیمت میں حصّہ نہیں ہے بلکہ خود ان کے بیان سے واضح ہے کہ کچھ کھجوریں وغیرہ ان کو بھی دی گئیں!

رہے اور دوسرا یہ کہ ان کے علم و تقویٰ پر کبھی کسی نے حرف رکھنے کی جرأت نہیں کی۔ روایت ہے کہ انہوں نے صاف صاف کہا کہ حضرت عائشہؓ کے لیے اس معاملہ میں پڑنے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھتیں۔

ان بيت عائشة خير لها من هودجها۔[1]

حضرت عائشہ کا گھر ان کے لیے ان کے ہودج سے بہتر تھا!!

حضرت علیؓ اس معاملہ میں فریق کی حیثیت رکھتے ہیں، اس وجہ سے ممکن ہے بعض لوگ ان کی رائے کو زیادہ وزن نہ دیں۔ لیکن نازک سے نازک حالات کے اندر انہوں نے جس طرح اپنے سخت سے سخت مخالفوں کے مقابل میں اپنے آپ کو جذبات کی رَو میں بہنے سے بچایا ہے اور جس طرح قول و فعل دونوں میں حق و انصاف کو ملحوظ رکھا ہے یہاں تک کہ جنگِ جمل کے فتنہ میں انتہائی مشکل حالات کے اندر جس طرح خود اُمّ المؤمنین کے مرتبہ کا انہوں نے لحاظ رکھا ہے اس کی بنا پر وہ حق رکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں اُن کی رائے کو ایک فریق کی رائے قرار دے کر نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ دوسرے تمام معاملات میں ان کی راؤں کو جو دینی و شرعی وقعت دی جاتی ہے اسی احترام کے ساتھ اس معاملہ میں بھی اُن کی رائے پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کس پہلو سے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے اس اقدام کی مخالفت کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو اس بارہ میں جو خط لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اما بعد فانك خرجت ما ضبة لله ولرسوله تطلبين امرًا كان عنك موضوعًا. ما بال النساء والحرب والاصلاح بين الناس فتطلبين بدم عثمان ولعمري لمن عرضك للبلاء وحملك على المعصية اعظم اليك ذنبًا من قتلة عثمان وما غضبت حتى اغضبت وما

آپ اللہ و رسول کی حمیت میں ایک ایسے مطالبہ کو لے کر اُٹھ پڑی ہیں جس کی ذمہ داری سے آپ اللہ و رسولؐ کی جانب سے سبکدوش تھیں۔ عورتوں کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق؟ آپ عثمانؓ کے خون کا مطالبہ لے کر اُٹھی ہیں حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو اس آزمائش میں مبتلا کیا اور اس

[1] الامامة والسياسة لابن قتيبه ص ۵۶

هجت حتی هیجت فاتقی اللہ وارجعی الی بیتک[1]

غلطی پر آمادہ کیا، انہوں نے عثمانؓ کے قاتلوں سے بڑی برائی آپ کے ساتھ کی۔ آپ دوسروں کے ابھارنے سے غصہ میں آگئی ہیں۔ اور دوسروں کی انگیخت سے آپ میں اشتعال پیدا ہوگیا ہے، اللہ سے خوف کیجئے اور گھر کو لوٹ جائیے!

ملاحظہ فرمائیے، اس خط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نفس معاملہ کے حق یا باطل ہونے پر کوئی بحث نہیں کرتے اور امّ المومنین سے یہ نہیں کہتے کہ آپ ایک بالکل غلط معاملہ کے لیے اٹھ پڑی ہیں اور اس کے غلط ہونے کے دلائل یہ اور یہ ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے دوسرے مخالفوں کو لکھا۔ بلکہ امّ المومنین پر ان کو جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے معاملہ میں براہِ راست اور عملی مداخلت کی ہے جس کی ذمہ داریوں سے، ایک عورت ہونے کی حیثیت سے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کو بری کیا تھا لیکن محض دوسروں کی انگیخت سے وہ ایک غیر متعلق معاملہ میں پڑ گئی ہیں اور ایک بڑے فتنہ کی ذمہ داریوں میں اپنے آپ کو اُلجھا دیا ہے جس سے بغیر کسی مسئولیت کے وہ اپنے تئیں علیحدہ رکھ سکتی تھیں۔

امّ المومنین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خط کا جو جواب دیا وہ محض اس قدر تھا کہ "اب گلہ شکوہ کا وقت نہیں رہا"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کرّم اللہ وجہہٗ کے اعتراض کی قوّت محسوس کی اور اُس سے متأثر بھی ہوئیں لیکن حالات قابو سے باہر ہوچکے تھے اور اُن کے لیے اُٹھائے ہوئے قدم کو واپس لینا ناممکن ہوچکا تھا ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس موقع پر اس مختصر جواب پر قناعت کرجاتیں اور حضرت علیؓ کے اس دعوی کو چیلنج نہ کرتیں کہ اس طرح کے معاملات عورتوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ عورتوں کے حقوق کے لیے زندگی بھر وہ جس طرح لڑتی رہی ہیں اس کو دیکھتے ہوئے یہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی رائے کو غلط سمجھنے کے باوجود وہ اس کی تردید نہ کریں۔ ان کے تأثر کی شہادت ان کی بعد کی پوری زندگی سے بھی ملتی ہے۔ کیونکہ جنگِ جمل کے بعد سیاسی فتنوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا لیکن اس کے بعد سے امّ المومنین نے اپنی ساری اصلاحی سرگرمیاں عورتوں تک

محدود رکھیں اور نہ صرف یہ کہ کسی عام سیاسی ہنگامہ میں کسی نوعیت سے حصہ نہیں لیا بلکہ مختلف دلائل و قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ جنگِ جمل کی غلطی پر ان کو مدت العمر پچھتاوا رہا۔

مغربی نظریۂ مساوات کے قائلوں سے گذارش

یہ چند باتیں محض بطورِ مثال پیش کی گئی ہیں اور دکھانا یہ مقصود ہے کہ مغربی نظریۂ مساوات اور اسلامی نظریۂ مساوات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگر آپ مغربی نظریۂ مساوات کو لے کر "اسلامی نظام" بنانے چلیں گے تو قدم قدم پر خود اسلام ہی سے آپ کی لڑائی ہو گی۔ آپ کس کس چیز کو مُلّائیت قرار دیں گے؟ کس کس بات کو فقیہوں اور مولویوں کا مذہب بتا کر ردّ کرنے کی کوشش کریں گے؟ کتنی جگہوں پر خود اپنی آنکھیں بند کریں گے اور کتنے مقامات پر دوسروں کی آنکھوں پر پٹّی باندھیں گے؟ مانا کہ آپ ایک انوکھا نظام بنائیں گے لیکن آخر وہ کتنا انوکھا ہو گا کہ مغربی نظریۂ مساوات پر بھی مبنی ہو گا اور اسلام پر بھی مبنی ہو گا؟ اس ملک کے عوام جاہل سہی اور آپ بڑے ماہرِ فن سہی مگر اپنی قوم کے متعلق آپ کا یہ گمان کہ وہ بالکل ہی عقل اور علم سے کوری ہے شاید صحیح نہ ثابت ہو۔

ہمارے نزدیک تو اس قسم کی کوشش کا نتیجہ ایک سخت ذہنی انتشار اور فکری خلفشار کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔ لوگ جب اسلام اسلام کی پکار کے ساتھ ہر قدم پر کھلم کھلّا اسلام کُشی کے دردناک مناظر دیکھیں گے تو ممکن نہیں ہے کہ اس کا ردِّ عمل نہایت افسوسناک شکل میں ظاہر نہ ہو۔ اس لیے سیدھا راستہ تو یہ ہے کہ جس اسلام کا آپ نام لیتے ہیں اس میں یکسُو ہو جائیے اور معاشرہ کی تربیت بھی اسی کے اُصولوں پر کیجئے اور سیاسی نظام بھی اسی کے اُصولوں پر بنائیے۔ لیکن اگر اس کی ہمت یا اس کا علم آپ میں نہیں ہے، یا یہ آپ کے نفس کی خواہشات کے خلاف ہے تو پھر شریفانہ طریقہ یہ ہے کہ راہ کا پتھر نہ بنئے اور ان لوگوں کو کام کرنے کا موقع دیجئے جو اسلام پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ اور اسلام کا علم بھی رکھتے ہیں۔ اور اگر یہ بات بھی منظور نہیں تو پھر تیسرا راستہ آپ کے لیے یہ ہے کہ اتاترک اور ان کے ساتھیوں کی طرح اپنے بل بوتے پر (اسلام کا جھوٹا لبادہ اوڑھ کر نہیں) میدان میں آئیے اور انہی کی طرح پوری

جرأت کے ساتھ اعلان کیجیے کہ ہمیں اسلام وسلام کچھ نہیں چاہیئے، ہم مغربی حکومتوں کے طرز پر ایک لادینی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں عورتوں کو اسی طرح مطلق العنان رکھنا چاہتے ہیں جس طرح وہ یورپ کی لادینی ریاستوں میں ہیں۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی خلق اور خالق کو دھوکا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ دنیا کی نجات اگر ہے تو بس اسلام ہی کے اندر ہے اور ہم دنیا کو پھر ایک صحیح اسلامی حکومت کا جلوہ دکھانے کے لیے اٹھے ہیں۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی قرآن کا بحیثیت ایک نظام زندگی کے اعتراف نہیں کیا اور کبھی قرآن اور سنّت کی تعلیمات کو پارہ پارہ کر دینے والی حرکتوں کا افتتاح قرآن کی تلاوت سے کر کے اللہ کے غضب کو بلاوے بھیجنے کی جسارت نہیں[1] کی بلکہ صاف صاف لادینیت کا اعلان کیا اور قرآن کو الگ رکھ کر جرمنی، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ ممالک کے قوانین میں سے جس جس کو اپنی ہوائے نفس کے موافق پایا اس کو اپنا لیا اور اگر کسی

---

[1] کچھ دن پہلے کراچی میں بینک کا اور لاہور میں فلم کمپنی کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت سے ہو چکا ہے۔ اب ۲۵ر فروری ۱۹۵۰ء کے 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' میں پاکستانی اولمپک گیمس کی تقریبِ افتتاح کی تفصیلات اور پھر اس سلسلہ کی تصویریں ملاحظہ ہوں۔ اس تقریبِ مبارک کا افتتاح بھی تلاوتِ قرآن مجید سے ہوتا ہے اس کے بعد کھلاڑیوں کا مارچ پاسٹ ہوتا ہے جس میں نوجوان مرد کھلاڑیوں کے پہلو بہ پہلو لڑکیاں بھی لنگی لنگوٹ کسے ہوئے موجود ہیں۔ آنریبل مسٹر غلام محمد نے سلامی لی اور اپنی تقریر میں اس امر پر دلی خوشی کا اظہار فرمایا کہ الحمدللہ کھلاڑیوں کے کھلاڑنیں بھی موجود ہیں اور امید ہے کہ آئندہ ان کی تعداد میں حسبِ دلخواہ اضافہ ہوگا۔ ان حرکتوں کے بعد اگر کچھ کسر رہ گئی ہے تو بس یہ کہ شراب نوشی کی محفل میں بادہ نوشی شروع کرنے سے پہلے قرآن کی وہ آیات تلاوت کر لی جایا کریں جن میں شراب کی حُرمت کا ذکر آیا ہے، اور بدکاری کے اڈوں میں فواحش کا ارتکاب کرنے سے پہلے ان آیات کو پڑھ لیا جایا کرے جن میں زنا کی سزا بیان ہوئی ہے۔ تاکہ خدا کا غضب جتنا عام زانیوں اور شرابیوں پر بھڑکتا ہے اس سے دس گنا ان لوگوں پر بھڑکے جو اس کے احکام کی نافرمانی کرنے سے پہلے اعلان کریں کہ ہاں ہم خدا کو بھی جانتے ہیں اور اس کے احکام کو بھی جانتے ہیں، مگر نہ ہمیں خدا کی پروا ہے نہ اس کے احکام کی۔ وہ اگر کوئی ہمت رکھتا ہے تو ہم پر ہاتھ ڈال کر دیکھے۔ (العیاذ باللہ)

نے ان کے اس کام میں مزاحمت پیدا کرنے کی کوشش کی تو اس کو انہوں نے ٹھکانے لگادیا۔ پس اگر آپ کو کام وہی کرنا ہے جو انہوں نے کیا ہے تو پھر اس کام کو اسی طرح کیجئے جس طرح انہوں نے کیا ہے اور یہ منافقانہ روش چھوڑ دیئے جو نہ تو دنیا میں سُرخروئی کا باعث ہوگی نہ آخرت میں۔

پردہ

پردہ کے متعلق جو خیالات یہ حضرات ظاہر کرتے ہیں پچھلے اوراق پر دوبارہ ایک نظر ڈال کر ان خیالات کو ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ پردہ محض ملاؤں کی ایک ایجاد ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔ بعض جری ان میں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے پردہ ایجاد کیا وہ خود اخلاقی اعتبار سے گھٹیا درجہ کے لوگ تھے۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کرتے، عورتوں کو پردہ کے پیچھے دھکیل دیا اور اس کو اپنی کمزوری کا علاج سمجھا۔ اس گروہ میں جو تحقیق کے مدعی ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں پردہ کا کوئی وجود سرے سے تھا ہی نہیں، اس زمانہ میں عورتیں آزادانہ باہر پھرتی تھیں۔ شاعروں اور گویّوں کی محفلیں جما کر شمعِ انجمن بن کر بیٹھتی تھیں، نت نئے فیشن ایجاد کر کے پبلک میں اپنی جمال آرائیوں سے ان کو حسنِ قبول (POPULARISE) بخشتی تھیں۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں وہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی سکینہ اور حضرت ابوبکرؓ کی نواسی عائشہ کا نام لیتے ہیں اور اُن کے سہارے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عہدِ نبوّت اور عہدِ صحابہؓ کی اصلی تہذیب یہی تھی۔ پردہ کے ابتدائی رواج کے متعلق اُن کا بیان ہے کہ عباسی خلفاء کے دورِ آخر میں جب لوگوں کی اخلاقی حالت بہت گر گئی، نہ مردوں پر اعتماد باقی رہ گیا نہ عورتوں پر، تو لوگ مجبور ہوئے کہ عورتوں کو چہار دیواریوں کے اندر بند کر دیں۔

ان خیالات کو سامنے رکھ کر ہم کو متعدد سوالات پر غور کرنا ہے۔ کیا فی الواقع قرآن و حدیث میں پردہ کی بابت کوئی حکم موجود نہیں ہے اور یہ محض "مولویوں" کی دھاندلی ہے جو انہوں نے لوگوں پر چلا رکھی ہے؟ کیا پردہ سچ مچ ایسے ہی لوگوں کی ایجاد ہے جو اخلاقی اعتبار سے

گھٹیا درجہ کے لوگ تھے اور انہوں نے محض اپنی اخلاقی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے یہ پردہ ایجاد کیا ہے؟ کیا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ کے زمانہ میں عورتوں کی زندگی فی الحقیقت اسی طرز کی تھی جس طرز کی زندگی یہ لوگ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہ اور عائشہ بنتِ طلحہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں؟ ہم ان تمام سوالوں پر غور کریں گے۔ لیکن ان پر الگ الگ گفتگو کرنے کے بجائے ایک ہی سلسلہ میں اس طرح بحث کریں گے کہ ناظرین کو ہر سوال کا جواب بھی پوری وضاحت کے ساتھ مل جائے اور بحث میں زیادہ طوالت بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

پردہ سے متعلّق مسائل کی تفصیل قرآن وحدیث میں!!

جس شخص نے قرآن مجید اور احادیث کا تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہوگا وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارے معاشرتی مسائل میں سے جو مسائل زیادہ سے زیادہ تفصیل و وضاحت کے ساتھ قرآن مجید اور احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ پردہ کا مسئلہ بھی ہے۔ جس طرح نکاح طلاق وغیرہ کے تمام اصولی مسائل قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور پھر ان کی ضروری تفصیلات نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے واضح فرما دی ہیں اسی طرح پردہ سے متعلّق تمام اُصولی ہدایات خود قرآن مجید میں وارد ہیں اور ان کی ضروری توضیحات نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائی ہیں۔ اس وجہ سے پردہ کو محض مولویوں کی ایجاد قرار دینا یا تو بد ترین قسم کی جہالت ہے یا بد ترین قسم کی منافقانہ جسارت۔ رہے وہ حضرات جو اس کو اخلاق سے گرے ہوئے لوگوں کی ایجاد بتاتے ہیں وہ آگے کے مباحث ملاحظہ فرمانے کے بعد بہتر طریق پر اندازہ کر سکیں گے کہ جن لوگوں کو وہ اخلاقی اعتبار سے گرا ہوا قرار دیتے ہیں وہ کون ہیں اور ان کا اخلاقی پایہ کیا ہے؟

عورت کا اصلی میدانِ عمل

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس اصولی مسئلہ کو سمجھیئے کہ اللہ و رسول نے عورت کے لیے اصلی میدانِ عمل کون سا تجویز فرمایا ہے۔ گھر سے باہر یا گھر کے اندر یا گھر کے اندر اور باہر دونوں؟ اس سوال کا نہایت واضح جواب ہمیں قرآن مجید کی اس آیت سے ملتا ہے:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ	اور وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھو اور گذرے ہوئے زمانہ جاہلیّت کی طرح اپنے سنگار دکھاتی نہ پھرو اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت
(الاحزاب ۳۳)	کرو!

اس آیت سے دو باتیں بالکل واضح طور پر نکلتی ہیں :-

ایک یہ کہ عورت کا اصلی میدانِ عمل اُس کا گھر ہے نہ کہ باہر۔ اس لیے بغیر کسی حقیقی ضرورت کے اس کا غیر متعلق کاموں میں شرکت کے لیے نکلنا یا سیر سپاٹے، تفریح، تماشہ بینی اور پکنک کے لیے جانا یا اپنے حُسن و جمال اور بناؤ سنگار کی نمائش کرتے پھرنا ناجائز ہے !!

دوسری یہ کہ اسلام کے ظہور سے پہلے زمانہ جاہلیّت میں اس طرح کی باتیں عورتوں میں پائی جاتی تھیں جن کو اسلام نے آکر مٹایا ہے۔ اس لیے اسلام کا پسندیدہ کردار ایک عورت کے لیے وہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے اور اسی کردار کی مسلمان عورتوں کو تعلیم دی گئی ہے۔ اگر اس کردار کے خلاف کوئی بات کسی مسلمان عورت میں پائی جائے گی، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے ترقّی کی ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے زمانہ جاہلیّت کے کردار کی طرف رجعت کی ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں اگرچہ مخاطب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج ہیں لیکن یہ ہدایت اُن کو مخاطب کر کے اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ یہ انہی کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اس لیے ان کو مخاطب کیا گیا ہے کہ وہ تمام اُمّت کی عورتوں کے لیے نمونہ ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعینہٖ یہی ہدایات، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، عام عورتوں کے لیے بھی قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں۔ نیز اس آیت ہی کی بنا پر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عام عورتوں کو ایسی ہدایات دیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی دائرہ عمل گھر ہے نہ کہ گھر سے باہر۔

ایک مشہور حدیث میں، جس میں معاشرہ کے مختلف طبقات کی ذمّہ داریوں کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے الگ الگ گنایا ہے، عورت کی اصلی ذمّہ داری یہ بیان فرمائی ہے:-

والمرأۃ راعیۃ علیٰ بیت بعلھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم۔

اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچّوں کی نگران بنائی گئی ہے اور اس سے ان چیزوں کی بابت پُرسش ہوگی۔

باہر کے اجتماعی فرائض میں سے اور کاموں کا تو کیا ذکر جو کام نیکی و پاکیزگی اور خدمتِ دین و ہمدردیٔ خلق کے بہترین کام ہیں ان میں بھی عورت کی شرکت کو پسند نہیں کیا گیا ہے جہاد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے والی سب سے بڑی نیکی ہے لیکن اُمِّ ورقہ بنتِ نوفل نے غزوۂ بدر میں شرکت کے لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا:- قری فی بیتک (جاؤ اپنے گھر بیٹھو)[1]

نماز تمام اجتماعی کاموں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور اعلیٰ کام ہے اور چند شرائط کے ساتھ عورتوں کو نماز جماعت میں شرکت کی اجازت بھی دی گئی ہے لیکن اس اجازت کے ساتھ ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے کہ: وبیوتھن خیر لھن (ان کے گھر ان کے لیے مسجدوں سے زیادہ بہتر ہیں)[2]

نمازِ جمعہ اسلام کی اجتماعی زندگی میں جو اہمیّت رکھتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے لیکن نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا صاف حکم ہے کہ عورتوں پر نمازِ جمعہ واجب نہیں ہے:-

الجمعۃ حق واجب علیٰ کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبیٌ او مریض

جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے مگر چار شخص مستثنیٰ ہیں۔ غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

(ابوداؤد، کتاب الجمعہ)

---

[1] ابوداؤد، باب امامت النساء - اگر عورتوں کی جنگ میں شرکت کسی حد میں بھی کوئی پسندیدہ کام ہوتا تو جنگِ بدر سے بڑھ کر ضرورت کا موقع اور کون سا آسکتا ہے۔

[2] ابوداؤد، باب خروج النساء الی المساجد۔

جنازہ کی مشایعت انسانی و اسلامی ہمدردی کے اعلیٰ ترین کاموں میں سے ہے لیکن عورتوں کو اس سے بھی روکا گیا ہے :-

عن ام عطیة قالت نُهِينَا عن اتباع الجنائز۔

اُمِّ عطیہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ ہم کو جنازوں کے ساتھ جانے سے روکا گیا ہے۔

(بخاری شریف، اتباع النساء الجنائز)

ان واضح ہدایات کے بعد کون شخص اس میں شک کر سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کے لیے اصلی دائرہ عمل اُس کے گھر کو ٹھہرایا ہے؟

عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کی ممانعت

ہمارے لیڈر حضرات دھکیل دھکیل کر عورتوں کو گھروں سے باہر لا رہے ہیں۔ ہر کلب اور ہر انجمن میں ہر معاشرتی اور ہر سیاسی تقریب میں، ہر جلسہ اور ہر کانفرنس میں، ہر کھیل اور ہر تماشا میں عورتوں کو مردوں کے بالکل برابر کر دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے اور اگر کسی تقریب میں عورتوں کی کمی محسوس کی جاتی ہے تو اس کا غم منایا جاتا ہے کہ عورتوں کی کمی کے بقدر اسلامی تہذیب و ثقافت کے مظاہرہ میں کمی رہ گئی۔ لیکن اسلام نے عورتوں اور مردوں کے عام میل جول کی صریح الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے۔ اس بارہ میں قرآن شریف کی اصولی ہدایت یہ ہے :-

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ

اے ایمان والو! پیغمبر کے گھر میں نہ داخل ہو مگر اس وقت جب کہ تم کو اجازت دی جائے کھانے کے لیے، نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کی تیاری کا۔ لیکن جب تم بلائے جاؤ تو داخل ہو اور جب کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ، کسی بات میں لگ کر وہیں جم نہ جاؤ۔ یہ چیز پیغمبر کو تکلیف دے رہی تھی لیکن ازراہِ مروّت وہ تم سے شرماتا تھا لیکن اللہ حق کے

مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (الاحزاب - ۵۳)

اظہار سے نہیں شرماتا۔ اگر تم کو پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو ان سے پردہ کی آڑ سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دونوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط۔ ان کا ایک مجلس میں بیٹھ کر خوش گپیاں کرنا، دعوتوں میں باہم مل جل کر کھانا پینا، تفریحات میں ایک ساتھ شریک ہونا، اسلام کی تہذیب نہیں ہے۔ یہ آیت بھی اگرچہ ظاہر الفاظ کے لحاظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے متعلق معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ ان ہی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ بعینہٖ یہی ہدایات خود قرآن مجید کے اندر پوری اسلامی سوسائٹی کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ نیز قرآن کی انہی تعلیمات کی بنا پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ایسی ہدایات جاری فرمائی ہیں جن کا مقصد مسلمان عورتوں اور مردوں کو عام اختلاط سے روکنا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

عن حمزۃ بن ابی اسید الانصاری عن ابیہ انہ سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول وھو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطریق فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم للنساء استأخرن فانہ لیس لکن ان تحققن الطریق، علیکن بحافات الطریق فکانت المرأۃ تلصق بالجدار حتّٰی ان ثوبھا یتعلق بالجدار من لصوقھا۔

(ابوداؤد - ماجاء فی مشی النساء فی الطریق)

حمزہ بن ابو اُسید انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے کہ آپؐ نے دیکھا کہ راستہ میں مرد عورتیں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ آپؐ نے عورتوں سے فرمایا کہ تم پیچھے ہو جاؤ، تمہارے لیے راستہ کے بیچ میں چلنا ٹھیک نہیں ہے۔ تم راستہ کے کنارہ سے چلو۔ چنانچہ اس حکم کے بعد عورتیں بالکل دیوار سے لگ جاتی تھیں یہاں تک کہ ان کی چادریں دیوار سے الجھتی تھیں۔

روایات میں آتا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر ٹھہر جاتے

کہ عورتیں نکل جائیں تاکہ راستہ میں عورتوں اور مردوں کا تصادم نہ ہو۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کا ایک دروازہ عورتوں کے لیے خاص کر دیا تھا۔[1]

عیدین کی نمازوں میں عورتوں کو شرکت کی خاص طور پر تاکید تھی لیکن ان کا اجتماع مردوں سے الگ ہوتا تھا۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان سے چلے۔ (ابوداؤد)

اگر مردوں کو عورتوں سے کوئی بات جماعتی حیثیت سے کہنی ہوتی تھی تو اس کے لیے بھی پردہ کا مناسبِ حال اہتمام کیا جاتا تھا:-

عن ام عطیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم المدینۃ جمع نساء الانصار فی بیت فارسل الینا عمر بن الخطاب فقام علی الباب فسلم علینا فرددنا علیہ السلام ثم قال انا رسول رسول اللہ الیکن الحدیث ....

اُمِّ عطیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا پھر عمر بن الخطاب کو ہمارے پاس بھیجا، وہ آئے تو آکر دروازہ پر کھڑے ہوئے، پھر ہم کو سلام کیا ہم نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا تمھارے پاس آیا ہوں ...... الخ

ان واضح دلائل کے بعد کون شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ اسلام دونوں جنسوں کے آزادانہ اختلاط کو کسی نوعیت سے بھی جائز رکھتا ہے؟

گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں عورت کے لیے ہدایات!

اب وہ صریح ہدایات ملاحظہ فرمائیے جن کی پابندی کا عورت کو اس صورت میں حکم دیا گیا ہے جب اسے کسی ناگزیر

---

[1] ابوداؤد، باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال۔

[2] ابوداؤد، باب الخطبۃ فی یوم العید۔

اور اہم ضرورت کے لیے گھر کی چہار دیواری سے باہر قدم نکالنا پڑے اور غیر محرموں سے سابقہ پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اس بارہ میں قرآن مجید نے جو اصولی ہدایت دی ہے اُس میں سورۂ احزاب کی متقدم الذکر دونوں آیتوں کی طرح اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کے لیے خاص ہے بلکہ اس میں اس بات کی صاف تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے۔ فرمایا ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (۵۹ - احزاب)	اے پیغمبرؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ جب کسی ضرورت سے گھروں سے باہر نکلا کریں تو وہ اپنے چہروں پر اپنی چادر میں سے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ یہ اس بات کے قریب ہے کہ ان کا شریف زادیاں ہونا واضح ہو جائے اور وہ ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں عورتوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اوپر جلباب ڈال لیا کریں اور اس جلباب کا کچھ حصّہ چہرہ پر لٹکا لیا کریں عربی زبان میں جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ باہر نکلتے وقت معمولی لباس کے اوپر ایک بڑی چادر ڈال لینے کا رواج جس طرح ہمارے دیہات کے شریف گھرانوں کی بڑی بوڑھیوں میں رہا ہے اسی طرح عرب کے باعزت گھرانوں میں بھی اس کا رواج تھا۔ یہ چادر سر سے پاؤں تک پورے جسم کو چھپا لیتی تھی اور عورت کے لباس، اس کی زینتوں اور اس کے جسم کے محاسن کو ڈھانک لینے کے لیے مروّجہ برقعوں سے زیادہ موزوں تھی۔ قرآن نے یہ ہدایت کی کہ گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آئے تو عورتیں یہ بڑی چادر اوپر ڈال لیا کریں اور اس کا کچھ حصّہ گھونگھٹ کی شکل میں چہرہ پر لٹکا لیا کریں۔ اس گھونگھٹ کی شکل حضرت عائشہؓ کے ایک بیان سے واضح ہوتی ہے۔ وہ حجۃ الوداع کے موقع کا ذکر کرتی ہوئی فرماتی ہیں:

کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حُجّاج کے قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ

وسلّم فاذا حاذونا اسدلت احدانا جلبابها من راسها الی وجہها فاذا جاوزونا رفعنا (ابوداؤد) احرام کی حالت میں تھیں، جب قافلے ہمارے سامنے آتے تو ہم سر کی طرف سے بڑی چادر کا کچھ حصّہ چہرہ پر لٹکا لیتیں اور جب وہ گذر جاتے تو اس کو اُٹھا دیتیں۔"

یہی حضرت عائشہؓ واقعہ افک کے سلسلہ میں بیان فرماتی ہیں کہ جب مَیں نے صفوان بن معطل کے اِنّا للّٰہِ پڑھنے کی آواز سنی تو فخمرت وجہی بجلبابی (بخاری) "مَیں نے اپنی بڑی چادر سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔"

یہی جُلباب ہے جس نے تمدّن کی ترقّی کے ساتھ ترقّی کر کے مختلف قسم کے برقعوں اور نقابوں کی شکل اختیار کی اور مختلف مسلمان ملکوں میں اس کی مختلف شکلوں کا رواج ہوا۔ ان برقعوں اور نقابوں کی بعض اقسام کے متعلّق یہ بحث تو ہوسکتی ہے کہ یہ جلباب کے مقصد کو صحیح طور پر پورا کرتے ہیں یا نہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ برقع یا نقاب کا حکم سرے سے اسلام میں ہے ہی نہیں، یہ محض مُلّاؤں کی ایجاد ہے، ایک ایسی جسارت ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے[۱]۔

---

[۱] اس آیت سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں یہ حکم نازل ہوا ہے اس زمانہ میں مدینہ میں منافقوں کا زور تھا اور وہ مسلمانوں کی ایذادہی کے شوق میں جب موقع پاتے ان کی بہوؤں، اور بیٹیوں کو چھیڑنے کے بہانے ڈھونڈتے اور جب ان پر گرفت کی جاتی تو معذرت کر دیتے کہ ہم نے سمجھا کہ کوئی لونڈی ہے، اگر ہم جانتے کہ کوئی شریف زادی ہے تو ہرگز اس قسم کی غلطی نہ کرتے۔

اس زمانۂ نزول کو دلیل ٹھہرا کر اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ یہ حکم ایک فتنہ کے زمانہ میں ایک عارضی احتیاطی تدبیر کے طور پر دیا گیا تھا جو فتنہ کا زمانہ گذر جانے کے بعد باقی نہیں رہا تو یہ سمجھنا مختلف پہلوؤں سے غلط ہوگا۔

اوّلاً یہ کہ قرآن مجید میں جتنے احکام بھی نازل ہوئے ہیں سب ضرورت اور حالات کے تقاضے پر نازل ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر یہ اصول ٹھیرا لیا جائے کہ تمام احکام انہی ضروریات و حالات کے تابع ہیں جو ان کے نزول کے وقت موجود تھے، ان کے بدل جانے کے بعد وہ احکام و قوانین آپ سے آپ بدل جائیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن کا بیشتر حصّہ بالکل بے مصرف ہو کے رہ جائے گا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

قرآن مجید کے اس حکم کے بعد اب ملاحظہ فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں عورتوں کو ضمنی ہدایات کیا دیں اور روزمرّہ کی عملی زندگی میں مسلمان بیبیوں نے کس طرح بے چون وچرا ان ہدایات کی تعمیل کی؟ اس قانون کے نفاذ کے بعد اسلامی سوسائٹی میں جو فوری تغیّر نمایاں ہوا اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے ہو سکے گا۔

عن ام سلمة قالت لما نزلت — ام سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ثانیاً پردہ کے یہ احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان زمانوں میں بھی بدستور قائم رہے جس زمانہ میں منافقین کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا اور مدینہ کی سوسائٹی اشرار اور مفسدین سے بالکل پاک ہو چکی تھی۔ اس زمانہ میں نہ صرف پردہ کا یہ حکم باقی رہا بلکہ عورتوں کو بعض آزادیاں، جو منافقین کی موجودگی کے زمانہ میں حاصل تھیں، مثلاً مسجدوں کی حاضری کی آزادی، اُن کے متعلق حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اب عورتوں کے حالات میں جو تغیّر ہو گیا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھتے تو ان کو مسجدوں کی حاضری سے روک دیتے۔

ثالثاً یہ حکم جس زمانہ میں نازل ہوا ہے اس زمانہ میں مدینہ کی سوسائٹی ان منافقین کے باوجود صالح ترین سوسائٹی تھی۔ ایسی صالح کہ ایسی صالح سوسائٹی چشمِ فلک نے شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ اس سوسائٹی کے اندر اگر کچھ منافقین موجود تھے بھی تو اوّلاً تو ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ آسانی سے ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا، ثانیاً ایک صالح نظام کے قائم ہو جانے کی وجہ سے وہ اگر اس طرح کی کوئی مجرمانہ حرکت کر بھی گذرتے تھے تو ہر وقت اس کی سخت ترین پاداش کے خوف سے کانپتے بھی رہتے تھے۔ پھر جب ایسی سوسائٹی میں پردہ کا حکم ضروری سمجھا گیا تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری اس سوسائٹی میں اس کی کس قدر ضرورت ہو گی جس کا حال یہ ہے کہ اس کے اندر شاید مخلصین کی تعداد اتنی بھی نہ ہو جتنی اس سوسائٹی میں منافقین کی تھی اور قانون اور نظام کا حال یہ ہے کہ اس نظام کے اندر سب کے لیے آزادی اور سب کے لیے امان ہے، اگر امان اور آزادی نہیں ہے تو ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو نیکی اور پاکبازی کی زندگی خود بسر کرنا چاہتے ہوں اور اس کی دعوت دوسروں کو بھی دینے کی جرأت کریں۔

يدنين عليهن من جلابيبهن خرج نساء الانصار كان على روسهن الغربان من الاكسية (ابوداؤد)

قرآن میں یُدنین، علیھن، جلابیبھن کا حکم نازل ہوا تو انصار کی عورتیں اس طرح نکلیں کہ معلوم ہوتا تھا چادروں کے لٹکانے کی وجہ سے ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہوئے ہیں۔

ایک دوسری روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن غم انگیز حالات کے اندر عام عورتیں دوہتڑ مارتی، سینہ پیٹتی اور گریبان چاک کرتی ہیں، اس حکم کے نزول کے بعد مسلمان خواتین ان حالات کے اندر بھی اس حکم کا احترام قائم رکھتی تھیں، ملاحظہ ہو:۔

جاءت امرأة الى النبي صلّى الله عليه وسلّم يقال لها ام خلّاد وهي منتقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبي صلّى الله عليه وسلّم جئت تسألين عن ابنك وانت منتقبه فقالت ان ارزأ ابني فلن ارزأ حيائي فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ابنك له اجر شهيدين قالت ولم ذاك يارسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال لانه قتله اهل الكتاب۔

(ابوداؤد، فضل قتال الروم على غيرہم)

ایک خاتون جن کا نام ام خلّاد تھا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اپنے بیٹے کا جو مقتول ہو چکا تھا، انجام دریافت کرنے آئیں اور وہ نقاب پہنے ہوئے تھیں۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک صحابی نے ان کی اس استقامت پر تعجب کرتے ہوئے کہا نقاب پہن کے آپ بیٹے کا حال دریافت کرنے آئی ہیں؟ یعنی یہ موقعہ تو گریبان چاک کرنے اور سر پیٹنے کا تھا انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا بیٹا مرا ہے، میری حیا نہیں مری ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو تسلّی دی کہ تمہارے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ انہوں نے پوچھا ایسا کیوں ہوگا یارسول اللہؐ؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس لیے کہ اُس کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔

نمازِ عید میں تمام عورتوں کو شرکت کی تاکید تھی اور اس حکم کے بعد اب باہر نکلنے کی صورت میں جلباب کا استعمال بھی ہر عورت کے لیے ضروری قرار پاگیا۔ اس وجہ سے ایک عورت نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر کسی عورت کے پاس بڑی چادر

موجود نہ ہو اور وہ نمازِ عید کے لیے نہ نکلے تو کچھ حرج تو نہیں ہے؟ یہ سوال دو مختلف پہلوؤں سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں عام طور پر مسلمان غریب تھے دوسرا یہ کہ کپڑا بجائے خود عرب میں ایک بڑی کمیاب چیز تھا، لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے جب یہ سوال آیا تو آپؐ نے اس کا کیا جواب دیا؟

فقالت یارسول اللہ صلّی اللہ علی احدانا باس اذا لم یکن لھا جلباب ان لا تخرج فقال لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا فلیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین۔ (بخاری شریف)

ایک خاتون نے عرض کی یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس بڑی چادر نہ ہو اور وہ عید کی نماز میں نہ شریک ہو تو کیا کچھ حرج ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی دوسری بہن اس کو اپنے جلباب میں شریک کرے اور اس طرح وہ اس بھلائی کے کام اور مسلمانوں کی اس اجتماعی دعا میں شریک ہوں۔

بہت سے حضرات اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو پوری آرائشِ جاہلی کے ساتھ باہر پھراتے ہیں اور زندگی میں کبھی کسی اقتصادی مشکل یا کپڑے کی کمیابی کے دکھ سے آشنا نہیں ہوئے لیکن جب پردے کے مسئلہ پر اظہارِ خیال فرماتے ہیں تو بڑی سنجیدگی کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے کہ "اگر برقعہ یا چادر باہر نکلنے کے لیے ہر عورت کے واسطے ضروری چیز قرار دے دی جائے تو ایک غریب عورت کہاں سے اس کا بندوبست کر سکے گی؟" گویا انہوں نے بے پردگی کی یہ زندگی اپنی بیگمات کے لیے جو پسند کی ہے تو اس کی وجہ محض غرباء کی ہمدردی، اور اُن کے ساتھ مشارکت ہے ورنہ وہ تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس بے پردگی کو گوارا نہ کریں!

اس طرح کی اقتصادی مشکلات میں پھنسے ہوئے حضرات اس حدیث سے معلوم کر سکتے ہیں کہ غرباء کی جس مشکل کو وہ اپنی ہوائے نفس کے لیے بہانہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں وہ مشکل ایک سوال کی صورت میں خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش ہو چکی ہے اور ایسے زمانہ میں پیش ہو چکی ہے جس زمانہ سے زیادہ شاید ہی کبھی اس مشکل نے اہمیت حاصل کی ہو لیکن آنحضرتؐ نے اس کے باوجود نہ تو عورتوں کو اس بات کی رخصت دی کہ وہ نمازِ عید میں شرکت نہ کریں اور نہ اسی بات کی اجازت دی کہ وہ بغیر جلباب کے شرکت کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ میں باہر نکلنے کے لیے مذکورہ بالا پردہ اس قدر ضروری تھا کہ اسی سے ایک شریف زادی اور ایک لونڈی کے درمیان امتیاز ہوتا تھا۔ چنانچہ غزوہ خیبر کے سلسلہ میں جب صحابہؓ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت صفیہ کو آنحضرت ایک لونڈی کی حیثیت سے رکھیں گے یا ایک منکوحہ بیوی کی حیثیت سے تو اس بارہ میں اس فیصلہ کن اصول کو سب نے تسلیم کیا کہ :

ان حجبها فهي احدى امهات المومنين وان لم يحجبها فهي مما ملكت يمينه فلمّا ارتحل وطّالها خلفه ومدّ الحجاب۔

اگر ان کو پردہ کرائیں تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ ... امہات المومنین میں سے ایک ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی حیثیت لونڈی کی ہوگی، تو جب آپ نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو اپنے پیچھے ان کے لیے بیٹھنے کا سامان کیا اور پردہ تانا۔

پردہ کے یہ احکام ۳ھ اور ۵ھ ہجری کے درمیان نازل ہوئے ہیں لیکن اس اہتمام کے ساتھ ان پر عمل ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حجۃ الوداع کے سلسلہ کا ایک واقعہ ازواج مطہرات سے متعلق بیان کرتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار، پانچ سالوں کے اندر اندر یہ چیز مسلمان عورتوں کی فطرتِ ثانیہ (SECOND NATURE) بن گئی تھی۔ یہاں تک کہ جن حالات میں اس پردہ کا حکم نہیں ہے ان حالات میں بھی وہ بالکل غیر اختیاری طور پر پردہ کا اہتمام کرنے لگتی تھیں۔ چنانچہ حالتِ احرام میں عورت کو نقاب اور دستانے وغیرہ پہننے کی اجازت نہیں ہے لیکن روزمرّہ کی عادت کا یہ اثر تھا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ :۔

كان الركبان يمرون بنا ونحن محرمات مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا حاذونا اسدلت احدانا جلبابها من رأسها الى وجهها فاذا

قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھیں۔ جب قافلے ہمارے سامنے آتے ہم بڑی چادر سر کی طرف سے چہرے پر لٹکا

جاوزونا، فعنا- لیتیں اور جب وہ گذر جاتے ہم اس کو اٹھا دیتیں !! (ابوداؤد)

جلباب اور گھونگھٹ کی اس ہدایت کے ساتھ چند اور ہدایتیں بھی اس سلسلہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دی ہیں جن کو اس قانون کے مویّدات میں سے سمجھنا چاہیئے اور جن کے اہتمام سے وہ مقصد بدرجۂ اتم حاصل ہوتا ہے جو شریعت نے اس قانون کے نفاذ سے مدِّ نظر رکھا ہے مثلاً

جو عورت خوشبو لگائے اور اس خیال سے لوگوں کے پاس سے گذرے کہ لوگ اس کی خوشبو سے معطّر مشام ہوں اس کے لیے سخت وعید ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ کے پاس سے ایک عورت گذری جس کے دامن سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں انہوں نے پوچھا، خدا کی بندی! تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! پھر سوال کیا اور اسی غرض کے لیے یہ خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا ہاں، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لیے خوشبو لگائے گی اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوگی جب تک کہ وہ لوٹ کے اس طرح غسل نہ کرے جس طرح جنابت سے پاک ہونے کیلئے غسل کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

باہر نکلنے کی صورت میں اگر خوشبو لگائی جائے تو اس کے متعلّق یہ تصریح ہے کہ اس میں رنگ ہو مگر پھوٹنے اور پھیلنے والی خوشبو نہ ہو۔ وطیب النسآء لون لاریح لہٗ۔

اگر باہر نکلنا سفر کی نوعیّت کا ہو اور سفر کچھ لمبا ہو جس میں دن دو دن لگ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں عورت کو بغیر کسی محرم کے نہیں نکلنا چاہیے[1] (بخاری)۔

---

[1] کہاں رسولِ خدا کا یہ حکم اور کہاں اسلامی تہذیب قائم کرنے والے مدّعیوں کا اس بات پر اظہار افسوس کہ اسلامی اقتصادی کانفرنس میں عورتیں نہیں آئیں، اور اسلامی ریاست کی نمائندہ خواتین کا تنہا غیر محرم مردوں کے ساتھ یورپ اور امریکہ تشریف لے جانا۔

اس حالت میں مردوں کے لیے بھی بعض ہدایات ہیں مثلاً
اگر کسی سبب سے کسی عورت کا چہرہ کھلا ہوا ہو اور کسی مرد کی اس پر نظر پڑ جائے تو حکم ہے کہ پہلی نظر کے بعد فوراً اپنی نگاہ پھیر لے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فضل بن عباس آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے سوار تھے۔ اسی اثنا میں قبیلہ خثعم کی کوئی عورت آنحضرت سے کوئی مسئلہ پوچھنے آئی۔ فضل اس کو دیکھنے لگے اور وہ فضل کو دیکھنے لگی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب یہ دیکھا تو فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔

گھر کے اندر کا پردہ

اسلام نے جس طرح گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں عورتوں کو ضروری ہدایات دی ہیں اسی طرح نہایت تفصیل کے ساتھ اس حالت کے لیے بھی ہدایات دی ہیں جب وہ گھر کے اندر ہوں۔ کسی شخص کے زنانہ مکان کے اندر کوئی غیر شخص داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہو سکتا ہے تو کن شرائط کے تحت داخل ہو سکتا ہے؟ میاں اور بیوی کے اعزہ میں سے کوئی ایسا شخص گھر کے اندر داخل ہو جو گھر کی بیبیوں کے لیے غیر محرم کی حیثیت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں داخل ہونے والے کے لیے اور گھر کی بیبیوں کے لیے کیا ہدایات ہیں؟ محرم عزیزوں مثلاً باپ، بھائی بیٹے وغیرہ کے معاملہ میں عورتیں کس حد تک پردہ کی پابندیوں سے آزاد ہو سکتی ہیں؟ متعلّق اور غیر متعلّق عورتوں، ملازموں، اور غلاموں کی گھر کے اندر آمد و شد کے لیے کیا ضابطہ ہے؟ ان سارے سوالوں کے جوابات خود قرآن میں موجود ہیں اور ایسی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں کہ ان میں نہ کسی شک کی گنجائش ہے اور نہ کسی بحث و اختلاف کی۔ یہاں ہم ترتیب کے ساتھ پہلے قرآن سے اس سلسلہ کی ضروری ہدایات نقل کرتے ہیں، اس کے بعد اس سے متعلق احادیث میں جو بعض ضروری تفصیلات آئی ہیں ان کو بھی نقل کریں گے۔

الف کسی شخص کے زنانہ مکان میں، جس میں اس کے بیوی بچے رہتے ہوں کسی دوسرے شخص کو داخل ہونے کی اجازت صرف دو شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔
ایک یہ کہ صاحبِ خانہ کے ساتھ اس کو استیناس حاصل ہو۔ استیناس سے مراد

تعلق اور ربط و ضبط ہے۔ یہ تعلق عزیز داری کا بھی ہو سکتا ہے، محبت و دوستی کا بھی ہو سکتا ہے، ملازمت اور غلامی کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے کسی تعلق کے بغیر اسلامی معاشرہ میں کسی مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان کے زنانہ مکان میں داخل ہونے کا ارادہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ داخل ہونے سے پہلے گھر والوں سے اجازت حاصل کرے۔ اس اجازت کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر گھر والوں کو سلام کرے اگر اس کے بعد اس کو اجازت مل جائے تو داخل ہو ورنہ الٹے پاؤں واپس لوٹ آئے۔ حدیث میں سلام کے لیے ایک حد بھی معین کر دی گئی ہے کہ اجازت کے لیے تین بار تک سلام کرے۔ اس کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے۔

قرآن مجید میں یہ قانون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے :۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں نہ داخل ہو جب تک تمھیں ان گھر والوں سے انس نہ حاصل ہو اور تم ان کو سلام کر کے اجازت نہ لے لو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تمھیں آگاہی رہے اور اگر ان گھروں میں کسی (اجازت دینے والے) کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ تمھیں اجازت دی جائے اور اگر کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔ تمھارے لیے ان گھروں کے اندر داخل ہونے میں کوئی ہرج نہیں ہے جن میں عورتیں بچے نہ ہوں اور ان کے اندر تمھیں کوئی کام ہو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

(سورۃ نور ۲۷ تا ۲۹)

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ اسلامی سوسائٹی ایک ایسی سوسائٹی ہے جس کے

اندر کسی غیر متعلق شخص کو کسی شخص کے زنانہ مکان کے اندر داخل ہونے کی اجازت حاصل نہیں ہے۔ صرف کسی شخص کے اعزّہ و متعلقین ہی اس کے زنانہ مکان کے اندر داخل ہونے کے مجاز ہیں اور وہ بھی اس صورت میں جب انہوں نے اسلامی طریقہ کے مطابق اجازت حاصل کر لی ہو۔

ب۔ یہ اعزّہ و متعلقین مذکورہ بالا شرائط پورا کرنے کے بعد جب گھر کے اندر داخل ہوں گے تو اس صورت میں ان پر بھی اور گھر کی عورتوں پر بھی چند پابندیاں عائد ہوں گی، جن کا اہتمام دونوں کے لیے ضروری ہے۔

داخل ہونے والے مردوں کے لیے مندرجہ ذیل دو[2] ہدایتیں ہیں:۔

ایک یہ کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، گھر کی عورتوں کو گھورنے، اُن سے آنکھیں لڑانے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اُن سے باتیں کرنے کی کوشش نہ کریں۔

دوسری یہ کہ پوری تہذیب و شائستگی کا لحاظ رکھیں، کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالیں جو شرم و حیا کے منافی ہو، کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو وسوسہ انگیز اور نفس کے فاسد میلانات کو چھیڑنے والی ہو، نیز اپنے حُدودِ ستر کی نگہداشت کا پورا اہتمام رکھیں۔

گھر کی بی بیوں کو مندرجہ ذیل پانچ باتوں کا اہتمام کرنا ہوگا۔

ایک یہ کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، داخل ہونے والے مردوں سے آنکھیں لڑانے کی کوشش نہ کریں۔

دوسری یہ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

تیسری یہ کہ اس زینت کے سوا جو ناگزیر طور پر ظاہر ہو جائے (مثلاً لباس کا ظاہری حصّہ یا ہاتھ اور چہرہ کا کوئی حصّہ) اپنی زینت کی چیزوں یا جگہوں کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ سمٹ سمٹا کر رہیں اور اپنے آپ کو اس طرح سنبھال کر رکھیں کہ خواہ مخواہ کو اُن کی طرف توجہ نہ ہو۔

چوتھی یہ کہ سروں پر اوڑھنیاں ڈال لیں اور گریبانوں پر اُن کے بُکل مار لیں۔

پانچویں یہ کہ اس دوران میں اگر کسی ضرورت سے گھر کے اندر نقل و حرکت کی

نوبت آئے تو دبے پاؤں آئیں جائیں، زمین پر پاؤں مار کے نہ چلیں کہ زیوروں کی جھنکار سنائی دے[1]۔ یہ ساری باتیں قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہیں:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ....
.... وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۔

(نور - ٣١، ٣٠)

اور ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ طریقہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ ظاہر کریں مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیوں کے اپنے گریبانوں پر بکل مار لیا کریں ....
اور اپنے پاؤں زمین پر مار کے نہ چلیں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو۔

ج۔ صرف مندرجہ ذیل اعزہ و متعلقین کے سامنے عورت زینت کا اظہار کر سکتی ہے اور سمٹ سمٹا کر رہنے کی جو پابندی مذکورہ بالا آیت میں اس پر عائد کی گئی ہے ان کے

---

[1] اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو سورۂ احزاب میں جو ہدایات دی گئی ہیں اگر ان کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے تو فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (الاحزاب) کے الفاظ سے ایک چھٹی ہدایت یہ بھی نکلتی ہے کہ اگر کسی مرد سے بات کرنے کی نوبت آئے تو گفتگو میں لوچ اور نزاکت پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ سیدھے سادے الفاظ میں اصل بات کہہ کے گفتگو ختم کر دی جائے۔ اس ہدایت کو خواہ کتنا ہی کھینچ تان کر لیا جائے بہر حال اس سے کسی طرح بھی یہ گنجائش نہیں نکالی جا سکتی کہ کوئی بیگم صاحبہ ساڑی یا غرارے میں پبلک سٹیج پر تشریف لائیں اور مجمعِ عام میں تقریر فرمائیں!!

لیے اس پابندی کے اہتمام کی ضرورت نہیں ہے

——شوہر۔

——باپ۔

——خُسر۔

——بیٹے۔

——شوہر کی اولاد جو اس کی دوسری بیویوں سے ہو

——بھائی۔ جن میں سگے، سوتیلے اور رضاعی، تینوں قسم کے بھائی شامل ہیں۔

——بھتیجے۔ یعنی مذکورہ بالا تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد۔

——بھانجے۔ یعنی مذکورہ بالا تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد

——اپنے میل جول کی عورتیں۔ غیر متعلق عورتوں کے سامنے زینت کے اظہار کی وجہ سے بسا اوقات عورتیں اخلاقی اور مالی دونوں قسم کی آفتوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں بلکہ بعض حالات میں اس کی وجہ سے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

——غلام۔

——ملازم — جو بڑھاپے کی وجہ سے جنسی میلان سے خالی ہو چکا ہو۔ نوجوان ملازم کے معاملہ میں جملہ پابندیاں باقی رہیں گی۔

——بچے۔ جو ابھی بلوغ کے تقاضوں سے نابلد ہوں۔

مذکورہ بالا استثناء قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے :-

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت[1] مگر اپنے شوہروں

---

[1] یعنی آرائش، بناؤ سنگھار، زیور اور خوش رنگ و خوش وضع لباس۔ زینت کا کوئی مفہوم اس کے سوا نہیں بتایا جا سکتا۔ اب ہر آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے کہ ہمارے لیڈروں اور حکمران طبقہ کی بیگمات جس حالت میں منظر عام پر جلوہ فرماتی ہیں وہ "زینت" کی تعریف میں آتی ہے یا نہیں۔ اور ہر شخص یہ بھی دیکھ سکتا ہے کہ آیا یہ قرآن کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے یا ملاؤں کے گھڑے ہوئے احکام کی۔

کے مکان کے اندر جھانک رہا تھا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چیز تھی جس سے آپؐ اپنا سر کھجلا رہے تھے۔ جب آپؐ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مجھے جھانک رہے ہو تو میں اس چیز سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ مکان کے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی شرط تو نگاہ ہی کے سبب سے لگائی گئی ہے (بخاری شریف، کتاب الدّیات)

امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا روایت کی بنا پر یہ باب باندھا ہے کہ اگر ایک شخص کسی کے مکان کے اندر جھانکنے کی کوشش کرے اور صاحبِ خانہ کسی چیز سے اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کے ذمّے دیت (DAMAGES) عائد نہیں ہوگی۔

غلام کے متعلّق اوپر یہ ہدایت گذر چکی ہے کہ اس سے پردہ نہیں ہے لیکن اگر غلام مکاتب[۱] ہو تو اس کے بارہ میں حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلّی اللہ فرماتے تھے کہ اگر تم میں سے کسی کا مکاتب غلام ہو جس کے پاس ادا کرنے کے لیے رقم موجود ہو تو اس سے پردہ کرنا چاہیئے۔ (ابوداؤد، کتاب الفتن)

عزیزوں اور رشتہ داروں سے جس قسم کے پردہ کا حکم سورۂ نور کی آیات میں دیا گیا ہے، احادیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بھتیجے عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب اور آپؐ کے چچازاد بھائی فضل بن عباس، دونوں صاحبوں سے بالفاظ عبدالمطلب روایت ہے کہ میں اور فضل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حجرہ کے دروازہ پر پہنچے اور آپ اس روز امّ المؤمنین حضرت زینب[۲] بنتِ جحش کے یہاں تھے۔ ہم دروازہ

۱؎ یعنی جس غلام سے آقا کا یہ معاہدہ ہو جائے کہ وہ اپنے فدیے کی رقم (RANSOM MONEY) ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔

۲؎ واضح رہے کہ حضرت زینب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں اس لیے عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس دونوں سے ان کا وہی رشتہ تھا جو خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تھا۔

پر کھڑے رہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے (پہلے) میرے اور فضل کے کان پکڑے اور اشارہ فرمایا "کیا دکھڑا لے کر آئے ہو نکالو" پھر آپ گھر میں چلے گئے اور ہم دونوں کو اندر آنے کی اجازت دی۔ ہم اندر داخل ہوئے لیکن کچھ دیر تک ہم چپ چاپ کھڑے رہے، ہم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ دوسرا بات کا آغاز کرے۔ بالآخر میں نے (یا فضل نے، راوی کو شک ہے) جرأت کر کے بات کھولی اور ہمارے باپوں نے ہم کو جس مقصد کے لیے بھیجا تھا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ ہماری بات سن کر کچھ دیر تک آپ خاموشی کے ساتھ چھت کی طرف نگاہ کر کے غور کرتے رہے۔ جب زیادہ دیر ہو گئی تو ہم نے سمجھا کہ آپ کوئی جواب نہیں دیں گے۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ زینب پردہ کی اوٹ سے ہاتھ سے اشارہ کر رہی ہیں کہ گھبراؤ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے معاملہ پر غور کر رہے ہیں (ابوداؤد کتاب الخراج)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اسماء بنت ابی بکر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ نہایت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسماء عورت جب بالغ ہو جائے تو بجز اِس کے اور اِس کے، اُس کے جسم کا کوئی اور حصہ نظر نہیں آنا چاہیے اور آپ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ (ابوداؤد)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے کھولنے کی اجازت کا تعلق گھر کے اندر کے پردہ سے ہے نہ کہ باہر کے پردہ سے۔

اعزہ میں جس قسم کی احتیاطوں کی ہدایت گھر کے اندر کے پردہ سے متعلق سورۃ

ا ب ذرا ان لباسوں پر بھی غور فرمائیے جن میں سے کلائیاں اور بازو اور سینے کا بالائی حصہ تو بالکل ہی برہنہ رہتا ہے اور باقی جسم کا بھی اچھا خاصہ حصہ جھلکتا رہتا ہے۔ ایسے لباس پہن کر جو بیگمات بھائی بھتیجوں ہی کے سامنے نہیں مجمع عام میں تشریف لاتی ہیں کیا وہ کسی ملا کے خود ساختہ حکم کی نافرمانی کر رہی ہیں یا براہِ راست رسولِ خدا کے حکم کی؟

نور میں دی گئی ہیں اس قسم کی احتیاطیں ملحوظ رکھ کے وہ باہر بھی ایک دوسرے سے قریب ہو سکتے ہیں۔ اس کا ثبوت حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں، مندرجہ ذیل روایت سے ملتا ہے:۔

اسماء بنت ابی بکر روایت کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفرِ حج میں نکلے۔ جب عرج پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اترے اور ہم بھی اترے (اور ایک ہی جگہ) عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھیں اور میں اپنے باپ کے پاس بیٹھی۔ (ابوداؤد)

سورۂ نور میں غیر اولی الاربۃ کو جو رخصت دی گئی ہے اس رخصت کو استعمال کرنے میں بے احتیاط نہیں ہونا چاہیئے بلکہ متعلق شخص کی ذہنی و اخلاقی حالت کو بھی مدِّ نظر رکھنا چاہیئے۔ بعض مرد خود تو بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر ان کے فاسد میلانات بدستور جوان رہتے ہیں۔ ایسے غیر اولی الاربہ کو بھی گھروں کے اندر آنے جانے کی آزادی دے دینے سے مختلف قسم کے مفاسد پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس چیز کا لحاظ ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک مخنث تھا جو ازواجِ مطہرات کے یہاں آیا جایا کرتا تھا اور وہ اس کو غیر اولی الاربہ سمجھ کر اس سے پردہ نہیں کیا کرتی تھیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آمد و رفت روک دی (ابوداؤد)

بعض دوسری روایات سے اس کی مزید تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے ایک عورت کے سراپا کی تصویر اس طرح کھینچی جس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ ظالم نسوانی محاسن کی بڑی گہری پرکھ بھی رکھتا ہے اور بیان میں ان کی تصویر بھی کھینچ دے سکتا ہے۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے گھروں میں آنے جانے سے روک دیا بلکہ اس کے معاملہ میں لوگوں کی عام بداحتیاطی کو دیکھ کر اس کو مدینہ ہی سے نکال دیا۔

اگر گھر کے اندر داخل ہونے والا آنکھوں سے معذور ہو اور اس کے سبب سے

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (نور ۳۰)

کے سامنے یا اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے سامنے یا اپنے بھتیجوں کے سامنے یا اپنے بھانجوں کے سامنے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے سامنے یا اپنے غلاموں کے سامنے یا اپنے ان مرد ملازموں کے سامنے جو عورت کی ضرورت سے مستغنی ہو چکے ہوں یا ان نابالغوں کے سامنے جو ابھی عورتوں کے بھیدوں سے ناآشنا ہیں۔

ح۔ اوپر الف کے تحت اجازت لینے کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ گھروں میں ہر وقت آمدورفت رکھنے والے غلاموں اور نابالغ بچّوں اور ملازموں کے لیے ڈھیلی کر دی گئی ہے۔ ان کو صرف تین اوقات میں اجازت لینے کی ضرورت ہے ـــ نمازِ فجر سے پہلے جبکہ گھر والے اپنے بستروں میں ہوتے ہیں، ظہر کے وقت جبکہ قیلولہ کا وقت ہوتا ہے، عشاء کے بعد جبکہ گھر والوں کے آرام کا وقت ہوتا ہے ـــ یہ تینوں اوقات بے پردگی کے ہیں۔ ان وقتوں میں کسی کے اچانک داخل ہو جانے کی صورت میں اس کا امکان ہے کہ وہ گھر والوں کو ایسی حالت میں دیکھ لے جس حالت میں دیکھا جانا ناپسندیدہ نہ ہو اس وجہ سے ان اوقات میں غلام اور نابالغ کے لیے بھی اجازت لینے کا حکم ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں عام ضرورت کا لحاظ کر کے ان کو اجازت کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ البتہ نابالغ ملازم (جو غلام نہیں ہے) بالغ ہو جانے کے بعد اس رخصت سے محروم ہو جائے گا۔ اس کو دوسرے مردوں کی طرح تمام اوقات میں اجازت لینی پڑے گی۔ یہ استثناء قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا

اے ایمان والو! (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) اجازت لیں تمہارے غلام اور تم میں سے

الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ (۵۸ - نور)

وہ جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں تین وقتوں میں — فجر کی نماز سے پہلے اور جس وقت تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دوپہر میں اور نماز عشاء کے بعد — یہ تین وقت تمہارے بے پردگی کے وقت ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر یا ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ایک دوسرے کے پاس ہر وقت آمد و شد رکھنے والے ہو۔

۷ - بوڑھی عورتیں جو اب نکاح کے قابل نہیں رہ گئیں ہیں، سمٹ سمٹا کر رہنے، سر پر دوپٹہ ڈالنے، سینہ پر بکل مارنے کی ان پابندیوں سے آزاد ہیں جو "ب" کے تحت عام عورتوں کے لیے بیان کی گئی ہیں بشرطیکہ وہ اس آزادی کو اظہارِ زینت کے لیے استعمال نہ کریں۔ اور اگر وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح ان باتوں کا اہتمام کریں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

قرآن مجید نے یہ استثناء ان الفاظ میں فرمایا ہے :-

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ (۶۰ - نور)

اور بوڑھی عورتیں جو اب نکاح کی امیدوار نہیں ہیں، ان کے لیے کوئی ہرج نہیں ہے اگر وہ اپنے کپڑے اتاریں بشرطیکہ اس سے اظہارِ زینت مقصود نہ ہو اور اگر وہ محتاط رہیں تو ان کے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے۔

بعض تفصیلات حدیث میں

یہ ساری تفصیل خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ اب ہم بعض حدیثیں پیش کرتے ہیں جو گھروں کے اندر پردہ سے متعلق ہیں اور جن سے قرآن مجید کے مذکورہ بالا احکام کی تائید یا توضیح ہوتی ہے۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے دروازے کے سوراخ سے آپ

غضِ بصر کی ذمہ داری اس پر سے آپ سے آپ ساقط ہوگئی ہو تو اس کے معنی یہ نہیں کہ اس صورت میں گھر کی عورتوں پر سے بھی غضِ بصر اور دوسری احتیاطوں کی ذمہ داری ساقط ہو گئی۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ مَیں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس تھی اور وہیں میمونہ بھی موجود تھیں کہ ابن اُمِّ مکتوم آئے، اور یہ بات اس وقت کی ہے جب حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ان سے حجاب کرو[1]۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں، نہ ہمیں دیکھتے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کیا تم بھی اندھی ہو اور تم بھی ان کو نہیں دیکھتی ہو؟

جس طرح باہر نکلنے کے لیے جلباب کا اہتمام ضروری ہے اسی طرح گھر کے اندر دوپٹہ کا اہتمام ضروری ہے تاکہ عندالضرورت اس سے سر چھپایا جا سکے اور سینہ پر بکل مارا جا سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار کی عورتوں کی تعریف فرمائی کہ جب سورۂ نور اتری اور اس میں اوڑھنیاں لینے کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے اپنے کمر پٹے لیے اور ان کو پھاڑ کے ان کے دوپٹے بنا لیے (ابوداؤد)

حضرت عائشہ سے دوسری روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین اوّلین کی عورتوں پر رحم کرے جب یہ حکم نازل ہوا کہ وہ اپنے گریبانوں پر بکل مار لیا کریں تو انہوں نے اپنی موٹی قسم کی چادریں پھاڑ کر ان سے دوپٹے بنا لیے (ابو داؤد)

دوپٹے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دبیز ہو تاکہ جسم کی غمازی نہ کرے۔ دحیہ بن خلیفہ کلبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس قباطی و مصری کپڑے آئے تو اس میں سے آپ نے ایک مجھے بھی عنایت فرمایا، اور فرمایا کہ اس کے دو حصّے کر کے ایک حصّہ کی قمیص بنوا لو اور دوسرا اپنی بیوی کو دے دو کہ اس کا دوپٹہ

[1] یہاں حجاب کرو سے مراد پردہ کی دوسری قسم یعنی گھر کے اندر والا پردہ مراد ہے۔

بنوالیں۔ جب وہ چلے تو ارشاد ہوا کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگالیں کہ جسم کی غمازی نہ کرے (ابوداؤد)۔

اگر اتفاق سے کسی عورت سے آمنا سامنا ہو جائے اور نگاہ اس کے چہرے پر پڑ جائے تو آدمی فوراً نگاہ پھیر لے۔ (ابوداؤد)

نگاہ اور زبان کو کسی فتنہ میں پڑنے سے بچائیے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے آنکھوں کا زنا غیر عورت کو گھورنا اور زبان کا زنا اس سے لگاوٹ کی باتیں کرنا ہے۔ نفس تمنّا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔[1]

بعض مستثنیات

گھر کے باہر اور گھر کے اندر کے پردہ سے متعلق یہ کلیّات ہیں۔ ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث میں جس تفصیل کے ساتھ پردہ کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں اس تفصیل کے ساتھ نکاح و طلاق کے سوا شاید ہی کسی معاشرتی مسئلہ سے متعلق احکام و ہدایات موجود ہوں پھر جس طرح ہر کلیہ کے تحت بعض مستثنیات ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کلیّات کے تحت بھی حکمت و مصلحت اور اضطرار کے تحت بعض مستثنیات ہیں، مثلاً

حالتِ احرام میں عورت کو نقاب اور دستانے وغیرہ پہننے کی ممانعت ہے تاکہ تبتّل اِلَی اللہ کی جو شان ایک مردِ محرم سے ظاہر ہوتی ہے، وہ شان عورتوں کی وضع و ہیئت سے بھی ظاہر ہو۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس کو معاشرتی مصلحت کے تحت اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ چوری چھپے عورت کو دیکھ سکتا ہے۔[2] جابر بن عبداللہ

---

[1] اب ذرا یہ بھی ملاحظہ ہو کہ اولمپک کی کھیلوں میں زنانہ نیشنل گارڈ کی پریڈوں میں، نمائشوں اور مینا بازاروں میں، اور جلسوں اور کانفرنسوں میں ہزاروں لاکھوں آدمی خوب نظر جما کر بیگمات کو دیکھتے ہیں اور پھر اخباروں میں شیوہ بیان نامہ نگار ان کے جسم و لباس اور ان کے کرتبوں کی تعریفیں چھاپتے ہیں اور ان حرکتوں پر جو اعتراض کرتا ہے اس کو ملّایانہ تحکّم کا طعنہ دیا جاتا ہے

[2] لیکن واضح رہے کہ چوری چھپے بس ایک نگاہ دیکھ لینے کی اجازت ہے کورٹ شپ کی گنجائش اسلامی معاشرت میں نہیں ہے۔

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے لیے منگنی کرے تو اگر وہ اس کو اس حد تک دیکھ سکے جو اس کو اس کے ساتھ شادی کرنے پر مائل کر سکے تو وہ یہ کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک لڑکی کے لیے منگنی کی تو میں اس کو دیکھنے کے لیے چھپتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کو اس حد تک دیکھ لیا جس کے بعد میری طبیعت اس کے ساتھ نکاح کرنے کی طرف مائل ہو گئی اور میں نے اس سے شادی کر لی۔ (ابو داؤد)

انہی مستثنیات کو سامنے رکھ کر فقہاء نے ضرورت اور اضطرار کی صورتوں کے لیے احکام مستنبط کر لیے ہیں۔ مثلاً جج اگر کسی عورت کو شناخت کرنا چاہتا ہے تو اس مقصد کے لیے اس کو دیکھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کسی مریض عورت کے علاج یا اپریشن کے سلسلے میں اس کو دیکھ سکتا ہے یا اس کے جسم کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ بعض ناگہانی حالات میں ایک مسلمان اپنے ایک دوسرے مسلمان بھائی کے گھر میں گھس سکتا ہے۔ بعض اضطرار کے حالات میں ایک غیر مرد ایک غیر عورت کو چھو سکتا ہے۔ مثلاً ایک عورت پانی میں ڈوب رہی ہے یا آگ میں جل رہی ہو وغیرہ وغیرہ —— لیکن یہ سب مستثنیات ہیں جو قواعدِ کلیہ کے تحت ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ یہ مستثنیات ہی قواعدِ کلیہ بن جائیں اور خود قواعدِ کلیہ ہوا ہو کے رہ جائیں۔ جس طرح اضطرار کے تحت جان بچا لینے کے لیے آدمی خنزیر کا گوشت کھا لے سکتا ہے یا بقدر سد رمق شراب پی لے سکتا ہے اسی طرح کسی اضطراری اور ناگہانی حالت میں پردہ کے مقررہ قواعد کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن جس طرح اضطرار میں خنزیر اور شراب کی اجازت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی انہی کو غذا بنا بیٹھے اسی طرح بعض حالات میں پردہ کے معاملہ میں جو رخصت دی گئی ہے تو اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ بے پردگی ہی اسلام کا قانون ہے۔

بعض شبہات کا ازالہ

بعض حدیثیں ایسی ہیں جن کی اصلی نوعیت عام لوگوں پر واضح نہیں ہے اس وجہ سے لوگ ان سے غلط استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمِّ حرام اور اُمِّ سلیم کے یہاں اکثر تشریف لے جاتے تھے اور کبھی کبھی آپؐ ان کے یہاں قیلولہ بھی فرماتے تھے اور یہ دونوں صحابیات جو حقیقی بہنیں تھیں، آپؐ سے پردہ نہیں کرتی تھیں تو اس

کی وجہ جیسا کہ بعض شارحینِ حدیث نے بتائی ہے، یہ ہے کہ باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے آپ ان کے ساتھ رضاعت کا رشتہ رکھتے تھے اور ان کے ہاں زیادہ آمد و رفت کا سبب یہ تھا کہ اُن کے نہایت قریبی اعزّہ اسلام کی راہ میں شہید ہوئے تھے اس وجہ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خاص طور پر ان کو ہمدردی کا مستحق خیال فرماتے تھے۔

اسی طرح ربیع بنت مُعوّذ بن عفرا سے جو روایت ہے کہ جس روز میری رخصتی ہوئی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھے تو ان کے یہاں بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جانے اور ان کی رخصتی کے موقع پر ان کے بستر پر بیٹھے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے باپ اور چچا دونوں بدر کے معرکہ میں شہید ہو چکے تھے اور صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی تھے جو اس موقع پہ باپ اور چچا کی حیثیّت سے ان کے سر پر دستِ شفقت رکھ سکتے تھے۔ نیز یہ واقعہ نزولِ حجاب سے پہلے کا ہے۔

غزوات میں عورتوں کی شرکت کی نوعیّت ہم آگے چل کر واضح کریں گے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس سلسلہ کی بھی بیشتر روایات نزولِ حجاب سے پہلے کی ہیں، مثلاً :-

حضرت انس رضؓ کی مشہور روایت جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے عائشہ بنت ابوبکر اور اُمِّ سلیم کو دیکھا کہ وہ پائینچے چڑھائے اور پیٹھوں پر مشکیں لادے لوگوں کو پانی پلا رہی ہیں تو یہ روایت غزوۂ اُحد سے متعلق ہے جب کہ پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا!!

اگرچہ بعض عورتوں کا اپنے شوہروں یا محرم عزیزوں کے ساتھ غزوات میں نکلنا نزولِ حجاب کے بعد بھی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زخمیوں کے مرہم پٹی کے سلسلہ میں خدمتیں بھی انجام دی ہیں اور اگر کوئی ناگہانی موقع پیش آگیا ہے تو بعض خواتین نے بے مثال بہادری کا بھی ثبوت دیا ہے۔ لیکن ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی بے پردگی کی دلیل کی حیثیّت سے نہیں پیش کیا جا سکتا۔ ان سے زیادہ جس بات کا ثبوت ملتا

ہے وہ صرف یہ ہے کہ جس طرح حج میں عورت پردہ کی بعض پابندیوں سے آزاد ہے اسی طرح اگر کسی موقع پر اس کو کوئی جنگی خدمت انجام دینی پڑ جائے تو پردہ کی بعض پابندیوں سے اس کو رخصت حاصل ہو جائے گی۔

مخالفینِ پردہ سے گذارش

جو حضرات دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور اس کے باوجود اپنے قول و عمل دونوں سے پردہ کی مخالفت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے یہ محض مولویوں کی ایجاد ہے، وہ اس مضمون کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمائیں کہ کسی چیز کے متعلق وہ کس طرح باور کریں گے کہ وہ اسلام کی ہے؟ پردہ کا یہ پورا ضابطہ پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل سے اس کی پوری پوری تائید ہو رہی ہے۔ ان دونوں چیزوں کے بعد اب اور کون سی چیز پیش کی جائے جس کے بعد آپ اس کا اسلامی ہونا تسلیم کریں گے؟ اگر اسلام قرآن کی آیات اور رسول کے قول و فعل کا نام نہیں ہے تو کیا تم نے صرف اپنے نفسِ امّارہ کی خواہشات کا نام اسلام رکھا ہے؟ نیز یہ ارشاد ہو کہ جو قوم اپنے دین کے اتنے واضح ضابطہ کی اتباعِ دین کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود، اس جسارت کے ساتھ توہین کرے گی جس جسارت کے ساتھ ہمارے اربابِ اقتدار نے شاہِ ایران کے وُرودِ کراچی کے موقع پر ہماری بہنوں کی نمائش کر کے اس کی توہین کی ہے وہ اپنے آپ کو خدا کے غضب سے کتنے دنوں تک محفوظ رکھ سکے گی!

پیشِ نظر اخلاقی انقلاب

آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن، زنانہ نیشنل گارڈز[۱] اور اس قبیل کے دوسرے اداروں کے ذریعے سے عورتوں کے اخلاقی تصورات میں جس قسم کا انقلاب پیدا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور اسلام کے نام پر ہو رہی ہے۔ ہم کو اسلامی نقطۂ نظر سے مختصراً اس پر بھی تبصرہ کرنا ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم نے جو معلومات فراہم کر دی ہیں ان پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ نسوانی اخلاق کی تمام معروف اسلامی قدروں کو نگاہوں سے گرانے اور ان کی بجائے دوسری قدروں کو دلوں میں جگہ دلانے کی جدّ و جہد پورے زوروں سے اوپر سے لے کر نیچے تک جاری ہے۔ اب تک جو صفتیں ایک مسلمان عورت کے لیے قابلِ تعریف سمجھی جاتی رہی ہیں اور ہر شریف عورت بطور ایک اخلاقی نصبُ العین کے جن کو نگاہ میں رکھتی تھی، اب ان کو ایک ایک کر کے قابلِ نفرت ٹھہرایا جا رہا ہے تاکہ ہر عورت ان سے گھن کرے اور اگر ان کا کوئی شائبہ اس کے اندر پایا جاتا ہو تو جب تک وہ ان سے

---

[۱] گرل گائیڈز کا ایک مظاہرہ فروری کے مہینے میں لاہور میں ہوا تھا جس میں "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے بیان کے مطابق ۸۰۰ لڑکیوں نے حصّہ لیا۔ اس تنظیم کا مقصود چھوٹی عمر سے لڑکیوں کے اندر ان اوصاف کو تربیت دینا ہے جو آگے چل کر ان کو "تعمیرِ ملّت" کی ان خدمات کے لائق بنا سکیں جن میں آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن کی کارکن خواتین رات دن سرگرم کار ہیں۔ بیگم جی اے خان اس کی چیف کمشنر ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق پانچ ہزار لڑکیاں پنجاب کے اندر اس تنظیم میں اس وقت تک شامل ہو چکی ہیں اس کے مظاہرے کے موقع پر بیگم فضل الرحمٰن صاحب نے جو ایڈریس دیا اس میں انہوں نے یہ فتویٰ ارشاد فرمایا کہ "گرل گائیڈز کے سارے اصول اسلام کے بنائے ہوئے ہیں"۔ (ملاحظہ ہو سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۔ فروری سنہ ۱۹۵۰ء) ظاہر ہے کہ اب اس امّت میں ان بیگمات سے بڑھ کر دین اور شریعت کا عالم کون ہے، یہی تو اب مسلمانوں کو یہ بتانے کی اہل رہ گئی ہیں کہ اسلام کیا سکھاتا ہے اور کیا نہیں سکھاتا!

اپنے آپ کو پاک نہ کر سکے ان کو عیب کی طرح چھپائے اور جوں ہی ان کو دور کرنے کا موقع پائے فوراً ان کو نکال پھینکے۔

اب تک ہر مسلمان عورت اپنے لیے معیار اور مثال مائی عائشہ رضی اللہ عنہا اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سمجھتی تھی لیکن اب اس کو بتایا جا رہا ہے کہ ماضی میں تیرے لیے معیار و مثال فلاں اور فلاں ہیں جو یوں گاتی تھیں اور یوں بے پردہ پھرتی تھیں اور حاضر میں تیرے لیے اُسوہ اور نمونہ فلاں لیڈر کی بیوی اور فلاں لیڈر کی بہن یا بیٹی ہیں۔

اب تک ہر عورت، خواہ اس کا اخلاقی معیار کچھ ہی ہو، یہ سمجھتی تھی کہ ناچنا اور گانا بیسواؤں اور رنڈیوں کا شیوہ ہے۔ لیکن اب بڑے بڑے جغادری مرشد اس کو یہ سکھلاتے ہیں کہ تو ناچ اور گا، کیونکہ یہ فن شریف تو اسلام کے دورِ اوّل میں پرورش پایا ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور خلیفۂ اوّل کی نواسی نے یہ کارِ سعید انجام دیئے ہیں اور مغلوں کے دور میں تو ناچنا گانا ہر لڑکی کی تربیت کا ایک جزوِ لاینفک رہا ہے۔

اب تک ہر لڑکی یہ سمجھتی تھی کہ اس کا اصلی میدانِ عمل گھر ہے اس وجہ سے اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے اندر وہ سگھڑپن اور سلیقہ پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اس کو اس کی گھر گرہستی کی ذمہ داریوں کے لائق بنائے اور وہ علم و ہنر سیکھے جو ایک سلیقہ شعار بیوی اور ایک لائق ماں کے فرائض انجام دینے میں اس کے کام آسکے۔ لیکن اب اسے تربیت اس بات کے لیے دی جارہی ہے کہ وہ باہر سے آنے والے معزز مہمانوں اور اندر سے جمع ہو جانے والے لاکھوں شائقین کے سامنے کس طرح پریڈ کرے، کس طرح سلامیاں دے، کس طرح اپنے جسمانی کرتبوں کی نمائش کرے اور کس طرح اپنی بے باکیوں پر لاکھوں مشتاقوں سے تحسین و آفرین کے نعرے لگوائے اور تالیاں پٹوائے۔

اب تک ہر لڑکی سینے پرونے، پڑھنے لکھنے، پکانے ریندھنے، بھائیوں اور بہنوں کو سنبھالنے اور ماں باپ کی خدمت کرنے کو اپنے لیے ہنر خیال کرتی تھی اور انہی چیزوں کی تربیت حاصل کرتی تھی لیکن اب اسے بیگم آذری کی آرٹ اکاڈمی کا رستہ دکھایا جا رہا ہے کہ تیری اصلی تربیت گاہ وہاں ہے تو اس اکادمی میں جا کے سیکھ کہ جسم کس طرح

بنائے جاتے ہیں، ادائیں کس طرح سانچے میں ڈھلتی ہیں، حرکتوں میں لوچ اور تھرک کس طرح پیدا کی جاتی ہے، غمزوں میں جان کس طرح آتی ہے، چال میں نزاکت اور بات میں دلکشی کس طرح پیدا ہوتی ہے

اب تک ہر شریف باپ کی ہر شریف بیٹی اپنے لیے اس بات کو کمالِ شرافت سمجھتی تھی کہ جب تک باپ کے گھر میں رہے باپ بھائی کی کمائی پر، فراخی یا تنگی کی جیسی زندگی بھی میسّر آئے صبر و شکر کے ساتھ گزارے اور جب شوہر کے گھر میں جائے تو اس کی کمائی پر زندگی بسر کرنے کو اپنے لیے سرمایۂ فخر سمجھے اور قناعت و فرض شناسی کے ساتھ اپنی قابلیتیں ان خدمات کے ادا کرنے میں صرف کرے جو گھر اور خاندان سے متعلق ہیں، لیکن اب اس کو بتایا جا رہا ہے کہ لعنت ہے اس زندگی پر جو باپ کے بخشے ہوئے ٹکڑوں اور شوہر کے دستر خوان کے ریزوں پر بسر ہوئی، تو خود گھر سے نکل، جدّ و جہد کر، شکار مار، خود بھی کھا اور دوسروں کو بھی کھلا۔

اب تک رشتۂ نکاح کی گرہ خدا کی لگائی ہوئی گرہ سمجھی جاتی تھی، اور اب بھی خدا کے فضل سے ہماری سوسائٹی میں ایسی بہنوں کی کمی نہیں ہوئی ہے جو اس کی حرمت پر یقین رکھتی ہیں اور اس بات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی ہیں کہ جن کو خدا نے جوڑا ہے، ان کو موت کے سوا کوئی دوسرا بھی الگ کر سکتا ہے۔ لیکن اب عورت کو یہ سکھایا جا رہا ہے کہ ازدواج اور مناکحت کی پابندیاں تو ہماری اپنی عائد کردہ پابندیاں ہیں، کل تک ہم نے ان پابندیوں کو نافع پایا اس لیے ان کو باقی رکھا، اب اگر یہ ہماری راحتوں میں مخل ہوں تو اُن کو بدل بھی سکتے ہیں۔

اب تک عفّت و عصمت کو ہر بہن اور بیٹی اپنی سب سے بڑی دولت سمجھتی رہی ہے۔ اور اس کی حفاظت میں زندگی کو قربان کر دینا ہماری اخلاقی روایات کی سب سے زیادہ پُرفخر داستان سمجھی جاتی تھی، لیکن اب ہمارے نئے مصلحین یہ درس دے رہے ہیں کہ عصمت فروشی کوئی بُری چیز نہیں ہے، بُری چیز اگر کوئی ہے تو عصمت فروشی میں ایسی بے حیائی ہے جو بدنامی کی موجب ہو۔

اب تک عورت کے لیے یہ کمال سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایک مرد کی ہو کے رہے اور اس کی اطاعت و وفاداری، اس کے گھر کی دیکھ بھال، اس کے بچوں کی تربیت و نگہداشت میں اپنی پوری زندگی بسر کر دے۔ لیکن اب اس کے کانوں میں یہ افسوں پھونکا جا رہا ہے کہ صرف ایک شوہر کو تلاش کر لینا اور اس کی اطاعت و وفاداری میں زندگی بسر کر دینا کوئی کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ عورت "تعمیرِ ملّت" کے وسیع کاموں میں اور "خدمتِ وطن" کے وسیع میدانوں میں اپنی جولانیاں دکھائے۔

اب تک عورت کی ترقی یہ سمجھی جاتی تھی کہ وہ اپنے نسوانی اوصاف و فضائل میں ترقی کرے لیکن اب اس کو یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اس کی اصلی ترقی مردوں کی ریس کرنے اور ہر پہلو سے ان کی نقل اتارنے اور زنانہ کام چھوڑ کر مردانہ کام کرنے میں ہے۔ اور اس کے بعد ایک ترقی یافتہ عورت کے لیے اگر کوئی زنانہ کام موزوں ہے تو بس یہ کہ وہ ناچ گانا سیکھ کر اور جسم بنانے کے فن سے واقف ہو کر مخلوط سوسائٹی میں مردوں کی تفریح طبع کا سامان فراہم کرے۔

اقدار اور نقطہ ہائے نظر کا یہ فرق کوئی معمولی اور سطحی فرق نہیں ہے بلکہ اصولی اور بنیادی فرق ہے۔ یہ صرف ماضی اور حال کے تقاضوں اور مطالبات کی محض ایک ظاہری آویزش نہیں ہے جو کسر و انکسار کے بعد خود بخود دور ہو جائے بلکہ یہ دو بالکل متصادم اخلاقی نظریوں کی ٹکر ہے جن میں سے ایک کی فتح دوسرے کی شکست کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اس فتح و شکست سے پہلے لازمی ہے کہ اس پوری قوم کے اندر ایک شدید ذہنی خلفشار برپا ہو جو بالآخر ایک سخت ہل چل پر منتہی ہو۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ جن لوگوں کو اس قوم سے محبت ہے وہ اس صورتِ حال کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ یہ جس نئے سانچہ میں ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو ڈھالنے کی کوشش کی جا رہی ہے یہ اسلامی سانچہ ہے یا کوئی اور سانچہ ہے۔ ہمارے نئے مصلحین، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اپنے اس سانچہ کو اسلامی سانچہ کہتے ہیں۔ مسٹر لیاقت علی خاں سے لے کر بیگم آذوری تک ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ ان کی زندگیوں کا کوئی قول و فعل اور ان کی کوئی نقل و حرکت اسلام کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ ان کا جینا اور مرنا سب اسلام کے

لیے اور اسلام کے طریقہ پر ہے اور اسلام ہی کو از سرِ نو تازہ اور سر بلند کرنے اور دنیا کے سامنے ایک نمونہ کا اسلامی معاشرہ پیش کرنے کے لیے وہ یہ سارے پاپڑ بیل رہے ہیں۔ بیگم آذوری اگر خٹک ناچ ناچتی ہیں تو خدانخواستہ اس لیے نہیں کہ یہ ناچ ہے بلکہ اس لیے ناچتی ہیں کہ یہ اسلام اور تہذیبِ اسلام کا احیاء ہے۔ ہمارے وزیرِ مال اگر بیگم آذوری کے ناچ کی سرپرستی فرماتے ہیں تو یہ رقص و سرود کی سرپرستی نہیں ہے بلکہ یہ دراصل اسلامی آرٹ کی سرپرستی ہے۔ بیگم لیاقت علی خاں کراچی سے پشاور تک اور مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان تک جو کچھ بناتی پھرتی ہیں وہ بھی سرتاسر اسلام اور خدمتِ اسلام ہے۔ شاہِ ایران کے ورود کے موقع پر انہوں نے پاکستان کے ناموس کی ایک بہت بڑی مقدار جو معزز مہمان کی خدمت میں پیش کر دی تو یہ بھی انہوں نے اسلام ہی کا کام کیا ہے، اسلام سے سرِ مو انحراف نہیں کیا ہے۔ اس وجہ سے نہایت ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان نئے اخلاقی اصولوں کو پرکھا جائے کہ فی الحقیقت اسلام عورتوں کو یہی تعلیم دیتا ہے، جو یہ حضرات دے رہے ہیں یا اپنی ہوائے نفس پوری قوم پر مسلّط کر دینے کے لیے یہ لوگ اسلام کے نام کو محض ایک آڑ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ آئیے دیکھیے کہ قرآن و حدیث میں عورتوں کو کیا اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں۔

لیڈر عورتوں کیلئے قرآن کی ہدایات

سب سے پہلے ان اخلاقی ہدایات کو لیجیے جو قرآن نے ان عورتوں کو دی تھیں جو اُمت کی تمام عورتوں کی لیڈر بنائی گئی تھیں اور جن کو مسلمان خواتین کی تعلیم اور ان کی رہنمائی کی خدمت سپرد کی گئی تھی اور پھر اپنی لیڈر خواتین کا ان خواتین سے اور قرآن کی اخلاقی تعلیمات کا موجودہ مصلحین کے پیش کردہ اخلاقی اصولوں سے موازنہ کر کے دیکھیے کہ ان دونوں میں دُور پرے کی کوئی نسبت بھی ہے؟ قرآن مجید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مخاطب کر کے یہ ہدایت دیتا ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ	اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی
إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا	زندگی کی راحتوں اور اس کے ساز و سامان
فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا	کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں دے دلا کر خوبصورتی سے

جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ
وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ
مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ
يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ
لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ۝ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ
لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا
أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا
كَرِيمًا ۝ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ
مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ
بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ
وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي
بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ
الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ
إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي
بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ
إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

(۲۸–۳۴ احزاب)

رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول
کی اور آخرت کی کامیابی کی طالب ہو تو (صبر و شکر
سے رہو) تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ نے ان
کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی
کی بیویو! جو تم میں سے کسی کھلی ہوئی برائی کا
ارتکاب کرے گی اس کے لیے دہری سزا ہوگی
اور اللہ کے لیے یہ معمولی بات ہے۔ اور تم میں
سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے
گی اور بھلے کام کرے گی اس کو ہم اُس کا دوہرا
اجر دیں گے اور اس کے لیے ہم نے عزت کی
روزی مہیا کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عام
عورتوں کے مانند نہیں ہو اس لیے اگر تم خدا
ترس ہو تو بات میں لگاوٹ کا انداز نہ پیدا ہونے
دو کہ جس کے دل میں کچھ روگ ہے وہ کوئی غلط
امید باندھ بیٹھے بلکہ سیدھے سیدھے بھلے طریقہ
سے بات کرو اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور
پچھلی جاہلیت کے سے بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس
کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے
اے نبیؐ کے گھر والو! کہ تم سے ناپاکی کو دُور
کرے اور تم کو پاک بنائے جیسا کہ چاہیے اور
تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو سنائی جاتی ہیں اُن کا چرچا کرو بے شک اللہ
راز دان اور خبر رکھنے والا ہے!

مذکورہ بالا آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیویوں کو، تمام اُمّت کی مائیں اور تمام ماؤں اور بہنوں کی لیڈر رہنے کی حیثیت سے — مندرجہ ذیل ہدایات دی گئی ہیں۔

ا - ان کا مطمح نظر دنیا اور دنیا کا سروسامان نہیں ہونا چاہیے بلکہ خدا اور رسول کی اطاعت اور ان کی رضا طلبی اور آخرت کی فلاح ہونی چاہیے۔

ب - ان کے مرتبہ اور ان کی ذمّہ داریوں کے لحاظ سے ان کا اخلاقی پایہ بہت بُلند ہونا چاہیے۔ خُدا کے یہاں ان کی برائیوں پر سزا بھی دُہری ہے اور ان کی بھلائیوں پر جزا بھی دُہری کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی اور تمام خواتین کی رہنما ہیں۔ اُن کا بگاڑ پوری اُمّت کا بگاڑ اور اُن کا سنوار پوری اُمّت کا سنوار ہے۔

ج - ان کو لہجے میں لوچ اور گفتگو میں لگاوٹ کا انداز نہیں پیدا کرنا چاہیے بلکہ وقار اور سنجیدگی اور سادگی کے ساتھ بات کرنی چاہیئے تاکہ سننے والے کے نفس میں کوئی غلط قسم کی خواہش نہ پیدا ہو۔

د - ان کو بناؤ سنگار کرکے اپنی نمائش کرتے نہیں پھرنا چاہیئے بلکہ اپنے گھروں کے اندر نماز، انفاق فی سبیل اللہ اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت میں اپنے کو مصروف رکھنا چاہیئے۔

ھ - اللہ کی آیتوں اور رسول کی نصیحتوں کی تبلیغ اُن کا اصلی کام ہونا چاہیئے اور خدا کے جو بندے اور بندیاں ان چیزوں کی طالب ہوں اُن کو اِن سے بہرہ مند کرنا چاہیئے۔

اِس اُمّت میں عورتوں کی قیادت پر جس گروپ کو اوّل اوّل سرفراز کیا گیا اس کو خدا اور رسولؐ کی طرف سے اصلاح اور تربیت اور تزکیہ کا یہ پروگرام دیا گیا تھا اس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ذرا ایک نظر ان متبرّجات پر بھی ڈالیئے جو آج لیڈر بنی ہوئی ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی رہنمائی کرتی پھر رہی ہیں۔ اور انصاف سے فرمائیے کہ ہے کوئی مناسبت دونوں میں؟ ان اخلاقی ہدایات کا کوئی پرچھاواں بھی اُن کی زندگیوں کے کسی پہلو پر نظر آتا ہے؟ پھر کیا ستم ہے کہ جن شیطانی عادات وخصائل کو قرآن جاہلیتِ اُولیٰ کے لفظ سے پکارتا ہے ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو اُن میں آلودہ کرنے کی کوشش کی جائے اور پھر دعویٰ

کیا جائے کہ یہ اُن کو صبغۃ اللہ میں رنگا جارہا ہے۔ ان حضرات کی "اِسلامی خدمات" میں کوئی کمی رہ گئی ہے کہ یہ اس پہ دین کو دانستہ مسخ کرنے اور خُدا اور رسولؐ کے مقابلہ میں جسارت و بے باکی کا مزید اضافہ کرنا چاہتے ہیں؟

عام عورتوں کیلئے اخلاقی نصب العین

یہ لیڈر عورتوں کے لیے ہدایات تھیں۔ اب آیئے ملاحظہ فرمایئے کہ عام مسلمان عورتوں کے سامنے قرآن نے کیا اخلاقی نصب العین رکھا ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ۝

(احزاب ۳۵، ۳۶)

خدا کی فرمانبرداری کرنے والے مرد اور خدا کی فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، اور خدا کی طرف جھکنے والے مرد اور خدا کی طرف جھکنے والی عورتیں، راستباز مرد اور راستباز عورتیں، راہِ حق میں ثابت قدمی دکھانے والے مرد، اور راہِ حق میں ثابت قدمی دکھانے والی عورتیں، خدا کے آگے پست رہنے والے مرد اور خدا کے آگے پست رہنے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لیے اپنی مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے اور کسی مومن اور کسی مومنہ کے لیے جائز نہیں ہے کہ جس معاملہ کو اللہ اور رسول طے کر دیں اس میں وہ اپنے اختیار کو استعمال کریں اور جس

نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا۔

دوسری جگہ فرمایا ہے :۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (۳۴ - نساء)

پس جو نیکوکار عورتیں ہیں وہ اپنے شوہروں کی فرمانبرداری کرنے والی اور راز کی حفاظت کرنے والی ہیں بوجہ اس کے کہ اللہ نے اس کی حفاظت کی۔

سورۂ تحریم میں ارشاد ہے :۔

مُسْلِمٰتٍ، مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ، تٰٓئِبٰتٍ، عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ (۵ - التحریم)

خدا کی فرمانبرداری کرنے والیاں ایمان والیاں، خدا کی طرف دھیان رکھنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں۔

سورۂ نور میں اسلامی سوسائٹی اور منافقین و فساق کی سوسائٹی کا مقابلہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ (۲۶ - نور)

بد اخلاق عورتیں بد اخلاق مردوں کے لیے ہیں اور بد اخلاق مرد بد اخلاق عورتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ اخلاق عورتیں پاکیزہ اخلاق مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ اخلاق مرد پاکیزہ اخلاق عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ لوگ (اہل ایمان ان الزامات سے بری ہیں جو بد اخلاق لوگ ان پر لگاتے ہیں۔

اسی سورۂ نور میں ایک جگہ تین مندرجۂ ذیل صفتیں بھی مذکور ہیں۔

اَلْمُحْصَنٰتُ الْغٰفِلٰتُ الْمُؤْمِنٰتُ (۲۳ - نور)

پاک دامن، بھولی بھالی۔ ایمان والیاں

مندرجۂ ذیل ہدایات بھی ملاحظہ ہوں :۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ	اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی
أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ	رکھیں، اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں
وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ	اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں مگر جو ناگزیر
مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ	طور پر ظاہر ہو جائے، اور اپنے دوپٹوں کے
جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا	اپنے گریبانوں پر بکل مار لیا کریں اور نہ ظاہر
لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ	کریں اپنی زینت مگر اپنے شوہروں کے سامنے
بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ	یا اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے
إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي	سامنے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے
أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا	یا اپنے بھائیوں کے سامنے یا اپنے بھتیجوں کے
مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ	سامنے یا اپنے بھانجوں کے سامنے یا اپنے
أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ	میل جول کی عورتوں کے سامنے یا اپنے غلاموں
الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ	کے سامنے یا اپنے ان ملازموں کے سامنے
وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا	جو عورت کی ضرورت کے حدود سے گذر چکے
يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى	ہوں یا ان بچوں کے سامنے جو ہنوز عورتوں
اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ	کے بھیدوں سے آشنا نہ ہوئے ہوں، اور
تُفْلِحُونَ (۳۱ - نور)	اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں کہ اُن کی چھپی ہوئی

زینت ظاہر ہو اور تم سب مل کر (عورت اور مرد) اے ایمان والو! خدا کی طرف متوجہ ہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے وقت جن اخلاقی پابندیوں کا عہد لیتے تھے، وہ ملاحظہ ہوں:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ	اے نبیؐ جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں
الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ	بیعت کے لیے آئیں اور عہد کریں کہ خدا کا کسی
بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ	کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہ کریں گی

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ

(۱۲- ممتحنہ)

زنا نہ کرائیں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی[1] اور نہ کوئی ایسا بہتان تراشیں گی جو اُن کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق ہو اور نہ کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے[2] لو۔

قرآن نے عورتوں کے سامنے دو مثالی کیریکٹر رکھے ہیں اور ہر مومنہ کو ان نمونوں کی پیروی کی دعوت ہے۔

ایک نمونہ فرعون کی بیوی کا ہے جو خدا اور اُس کے دین کے ایک بہت بڑے دشمن بادشاہ کی ملکہ تھیں لیکن اتنے بُرے شخص کی بیوی ہوتے اور اتنے بُرے ماحول کے اندر رہتے کے باوجود وہ صدق دل سے خدا سے ڈرنے والی اور اس کے حکموں پر چلنے والی تھیں۔ انہیں بادشاہ کی ملکہ ہونے کا نہ صرف یہ کہ کوئی فخر نہیں تھا بلکہ رات دن اس بات کے لیے دعا کرتی رہتی تھیں کہ اُس کے پنجہ سے ان کو رہائی حاصل ہو اور اس کی قوم پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے جو عذاب آئے خدا اس میں ان کو گرفتار نہ کرے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ

اور اللہ مثال پیش کرتا ہے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی جب کہ اس نے دعا کی کہ

---

[1] واضح رہے کہ ضبطِ تولید اور ارادی اسقاط کی تمام مروّجہ تدبیریں بھی قتلِ اولاد کے تحت آتی ہیں۔

[2] یہ بھی واضح رہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی بیعت لیتے وقت کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ اِس آیت کے مطابق جب حضور عورتوں سے بیعت لے رہے تھے تو عورتوں نے چاہا کہ آپؐ مردوں کی طرح اُن کے ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت لیں مگر آپؐ نے فرمایا "میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، زبانی اقرار کافی ہے" (نسائی و ابنِ ماجہ، باب بیعۃ النساء) اب ارشاد ہو کہ دل کن کے زیادہ پاک ہیں؟ خدا کے رسول اور صحابیہ خواتین کے؟ یا ان خواتین و صاحبان کے جنھیں مصافحہ کرتے ہوئے ہم آئے دن "ڈان" اور "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "پاکستان ٹائمز" کی تصویروں میں دیکھتے ہیں۔

لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (۱۱- تحریم)

اے میرے پروردگار! میرے لیے تو اپنے پاس جنّت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی بدعملیوں سے نجات دے اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے۔

دوسرا نمونہ حضرت مریم کا ہے جو عفّت و عصمت اور طہارتِ اخلاق و پاکیزگیٔ مزاج کا پیکرِ مجسّم ہیں۔

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّھَا وَکُتُبِہٖ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ○ (۱۲- سورۂ تحریم)

اور اللہ مثال پیش کرتا ہے مریم بنت عمران کی جس نے اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی رُوح ڈالی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کو مانا اور وہ اپنے رب کے فرمانبرداروں میں تھی۔

جس طرح پیروی اور اتّباع کے لیے مذکورہ بالا دو نمونے رکھے ہیں اسی طرح عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے بھی عورتوں کے سامنے دو بُرے کیریکٹر رکھے ہیں۔

ایک کیریکٹر تو حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السّلام کی بیویوں کا ہے۔ ان دونوں عورتوں کو اللہ کی مہربانی سے بڑے مرتبے کے شوہر ملے تھے اور اگر یہ وفاداری اور راستبازی کے ساتھ ان کے ساتھ زندگی گذارتیں اور جس دعوتِ خیر کو وہ لوگ لے کر اُٹھے تھے اس میں اپنے مقدور بھر اُن کا ہاتھ بٹاتیں اور اُن کے دُکھ سُکھ میں ان کی شریکِ حال بنتیں تو اُن کے شوہروں کی طرح ان کا بھی خدا کے یہاں بڑا مرتبہ ہوتا لیکن انھوں نے ان کے ساتھ وفاداری کے بجائے خیانت کی، ان کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانے کی جگہ ان کی دعوت کو حقیر جانا اور ان کے دشمنوں کے ساتھ سازباز رکھا، ان کے دُکھ سُکھ میں ان کے شریکِ حال ہونے کے بجائے ان سے نفرت کی اور ان کی زحمتوں میں اضافہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس عذاب میں اُن کی قوم کے فسّاق و فجّار اور انکی بدکار بیویاں مبتلا ہوئیں اُسی عذاب میں خدا نے ان کو بھی پھینک دیا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۞

(۱۰- تحریم)

اللہ مثال پیش کرتا ہے کافروں کے لیے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے اُن کے ساتھ بیوفائی کی تو یہ دونوں اللہ کے مقابل میں اُن کے کچھ کام نہ آسکے اور ان کو حکم ملا کہ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔

دوسری عبرت انگیز مثال ابولہب کی بیوی کی پیش کی ہے۔ ابولہب اس جاہلی نظام کا سب سے بڑا لیڈر تھا جو اسلامی دعوت کے ابتدائی دور میں حجاز میں قائم تھا۔ یہ ایک بدخصلت اور کمینہ آدمی تھا اور اس سے زیادہ بدخصلت اور بدذات اس کی جورو تھی۔ یہ دونوں اس دعوتِ حق کے انتہائی دشمن تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند کی تھی اور ان کی مخالفت کی تہ میں کوئی اصولی چیز یا قومی و وطنی حمیت نہیں تھی۔ بلکہ صرف ان کے ذاتی اغراض اور اقتدار تھے جو دعوتِ حق کی کامیابی کی صورت میں انکو معرضِ خطر میں نظر آتے تھے۔ ابولہب کی بیوی اپنے آرائش و زیبائش کے شوقوں کو پورا کرنے اور سروسامان کے لحاظ سے اپنی ہم چشموں میں ممتاز رہنے کے لیے ابولہب کو مجبور کرتی تھی کہ وہ جہاں سے اور جس طرح سے ممکن ہو اس کے لیے دولت اکٹھی کرے اور ابولہب اپنی رذالت اور کم ہمتی کی وجہ سے تمام جائز و ناجائز ذرائع اختیار کر کے اس کی خواہش پوری کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اتنا بڑا لیڈر ہونے کے باوجود وہ رفادہ[1] کا مال خرد برد کرتا تھا بلکہ تاریخوں سے یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ بیت اللہ کے خزانے سے سونے کے ہرن کی چوری کا بھی اس پر شبہ کیا گیا۔ اس کی ان ساری حرکتوں کی محرک چونکہ اُس کی بیوی ہی تھی اور وہ ایک ایسی بیوی تھی جو اس بات کی مثال بن سکتی تھی کہ کس طرح ایک بگڑی ہوئی عورت بسا اوقات

---

[1] قریش کی جاہلی حکومت میں یہ فنڈ خالص حجاج کی میزبانی کے لیے قائم تھا اور آنحضرتؐ کے بعثت کے زمانہ میں اُس کا انچارج ابولہب تھا۔

پوری قوم کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور اس کے بدانجام شوہر کے انجام میں اس کو بھی شریک کیا اور اس کی تصویر پیش کی ہے کہ قیامت کے دن وہ اس لونڈی کی شکل میں اٹھائی جائے گی جو گلے میں رسیاں ڈالے ہوئے لکڑی ڈھونے کے لیے جا رہی ہو اور وہ ایندھن لا لا کر اس آگ کو بھڑکائے گی جس میں اس کا بدبخت شوہر جل رہا ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں درحقیقت اس کے لیے اس آگ کے اسباب فراہم کرنے والی وہی تھی۔ چنانچہ قرآن نے اس عورت کو تمام مردوں اور عورتوں کے لیے ایک مثال عبرت کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو :-

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (سورۃ اللہب)	ابولہب کا اقتدار ڈھے گیا اور وہ خود ہلاک ہوگیا نہ اس کا مال اس کے کچھ کام آیا اور نہ اس کی (حرام و حلال کی) کمائی اور وہ جلد بھڑکتی آگ میں پڑے گا اور اس کی بیوی بھی (اس میں پڑے گی) ایندھن ڈھوتی ہوئی۔ اس کی گردن میں ایک موٹی رسی[1] پڑی ہوئی ہوگی۔

اس پوری بحث کو ملاحظہ فرمایئے۔ یہ اخلاقی نصب العین ہے جو قرآن نے عورتوں کے سامنے رکھا ہے اور یہ نمونے ہیں جن کی پیروی کی دعوت دی ہے اور یہ مثالیں ہیں، جن کو عبرت حاصل کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ اگر آپ سچ مچ قرآن کو اپنے لیے ضابطۂ زندگی مانتے یا مانتی ہیں تو للہ ارشاد ہو کہ ہے اس میں کہیں ذکر حلی یا خفی ناچنے والیوں اور گانے والیوں کا، پریڈیں کرنے والیوں اور سلامیاں دینے والیوں کا، جسم بنانے والیوں اور جسمانی کرتب دکھانے والیوں کا، بناؤ سنگھار کر کے فتنہ اٹھانے والیوں اور نوروز منانے والیوں[2] کا، لیڈر بن کے خود گمراہ ہونے والیوں اور دوسروں کو گمراہ کرنے والیوں کا؟ اور

---

[1] رشوت و خیانت کی آمدنیوں سے جو قیمتی اور بھاری بھاری ہار بنوائے جاتے اور پہنے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ قیامت کے دن لکڑی ڈھونے والیوں کی رسیوں کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گے۔

[2] حال میں رسالہ "طلوعِ اسلام" کراچی (بابت جنوری، فروری ۵۰ء) (باقی اگلے صفحہ پر دیکھیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے ایک اطلاع شائع کی ہے جو خود اُس کے الفاظ میں ہم یہاں درج کرتے ہیں

:... سالِ نَو کی آمد کی خوشی میں کراچی کے ایک بہت بڑے کلب میں نوروز کی تقریب ۳۱ دسمبر اور یکم جنوری ۱۹۵۰ء کی درمیانی شب میں شراب و شباب اور سرمستیوں اور رنگینیوں کے ساتھ اس طرح منائی گئی کہ ایک دیدہ ور تماشائی کے بیان کے مطابق عمّالِ حکومت پاکستان کی اکثر بیگمات شفق ساماں اور دُختران برق داماں، مغربی نیم عریاں لباس میں، ساق و سینہ کی ہوش رُبا جلوہ پاشیوں کے ساتھ اس محفل رنگ و تعطّر میں غارتگرِ تمکین و ہوش بن رہی تھیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ عشائیہ (SUPPER) کے بعد مَیں نے پینے کے لیے پانی مانگا تو بیرے نے ایک معنی خیز تبسّم کے ساتھ میری طرف دیکھا جو کھُلے الفاظ میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ اگلے وقتوں کی بوسیدہ رُوح یہاں کیا کرنے آگئی! اُس نے کہا حضور! یہاں

شاہد و شمع و شراب و شکر و ناؤ و سرود

میں پانی کا کیا کام؟ آج رات یہاں پانی کے نلوں سے شراب بہہ رہی ہے۔ اس کے بعد محفلِ رقص شروع ہوئی۔ حُسن و عشق کے اس امتزاج میں جسے دیکھئے ع ہمہ اعضاء چو موج بادہ در جوش

ٹھیک بارہ بجے تمام بتّیاں بُجھا دی گئیں۔ اس اندھیرے میں کیا کچھ ہوا آنکھوں نے دیکھا تو نہیں البتّہ کان اس کی غمّازی ضرور کر سکتے ہیں۔ انگریز کے آئینِ فحاشی کے مطابق (اسی آئین کے تحت یہ مجلس منعقد ہوئی تھی) اس اندھیرے میں ہر عورت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جسے چاہے چوم لے۔ ہمارے راوی کا بیان ہے کہ ایک گوشہ سے ایک ساغر شکن چوماہٹ کے ساتھ کسی مرد کی گھبرائی ہوئی سی آواز آئی کہ ارے یہ کیا ــــــ؟

اس کے جواب میں قہقہہ کی بلّوریں کھنک سے فضا مرتعش ہو گئی اور ایک شوخ و شنگ آواز نے کہا:۔ "یہ پاکستان کا نیا کلچر ہے"

اگر کچھ مضائقہ نہ ہو تو اس سوال کا جواب بھی عنایت ہو کہ آج جن "تبسّم فروش" عورتوں کو ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے پیروی کے لیے بطورِ نمونہ رکھا جا رہا ہے قرآن کی پیش کردہ مثالوں کی روشنی میں یہ پیروی کے لیے موزوں ہیں یا عبرت کی مثالوں کے خانہ میں رکھے جانے کے لائق ہیں۔

احادیث میں عورت کے لیے اخلاقی نصب العین

قرآن میں آپ نے دیکھ لیا کہ ایک مُسلِمہ و مومنہ کے اندر وہ کن اوصاف و خصائل کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اب دوسری دینی حجّت ہمارے اور آپ کے لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات ہیں۔ ان پر بھی ایک نظر ڈال کر دیکھ لیجیے کہ حضورؐ نے مسلمان بیبیوں کو کن اوصاف و خصائل کی تعلیم فرمائی ہے:-

خانہ داری

اسماءؓ بنت یزید کے متعلق جو مشہور صحابی حضرت معاذؓ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن ہیں، استیعاب میں مندرجہ ذیل بیان ملتا ہے:-

کانت بین ذوات العقل والدین روی عنھا انھا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فقالت انّی رسول من ورائی من جماعۃ نساء المسلمین کلھن یقلن بقولی وعلی مثل رائی۔ انّ اللہ تعالیٰ بعثک الی الرجال والنّساء فاٰمنّا بک واتبعناک ونحن معشر النّسآء مقصورات مخدرات قواعد بیوت ومواضع شھوات الرجال

اسماء بنت یزید عقلمند اور دیندار خواتین میں شمار ہوتی ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ میں عورتوں کی ایک جماعت کی نمائندہ بن کر حاضرِ خدمت ہوئی ہوں۔ وہ سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کر رہی ہوں اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میں پیش کر رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان

وحاملات اولادھم وان الرجال فضلوا بالجمعات وشھود الجنائز والجھاد واذا اخرجوا للجھاد حفظنا اموالھم وربینا اولادھم افنشارکھم فی الاجر یارسول اللہ فالتفت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بوجھہ الی اصحابہ فقال ھل سمعتم مقالۃ امرأۃ احسن سوالاً عن دینہ من ھذہ، فقالوا لا واللہ یارسول اللہ! فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم انصرفی یا اسماء واعلمی من وراءک من النساء ان حسن تبعل احدٰکن لزوجھا وطلبھا لمرضاتہ واتباعھا لموافقتہ یعدل کل ماذکرت من الرجال۔ فانصرفت اسماء وھی تھلل وتکبر استبشاراً بما قال لھا رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

(استیعاب ج ۲ ص ۷۰۶)

لائیں اور ہم نے آپ کی پیروی کی لیکن ہم عورتیں پردہ نشین، گھروں کے اندر بیٹھنے والیاں مردوں کی خواہشات کا محل اور ان کے بچّوں کو ڈھونے والیاں ہیں، مرد ہم سے جمعہ، جنازہ، جہاد میں بازی لے گئے۔ جب وہ جہاد کے لیے جاتے ہیں تو ہم ان کے گھربار کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچّوں کو پالتی ہیں تو کیا اجر میں بھی ہم اُن کے ساتھ حصّہ پائیں گی یارسول اللہ! رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہؓ کی طرف رُخ کرکے فرمایا کہ کیا تم نے کسی عورت کی گفتگو سُنی ہے جس نے اپنے دین کے بارہ میں ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ سوال کیا ہو؟ سب بولے کہ نہیں، خدا کی قسم یارسول اللہ! اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسماء سے مخاطب ہوکر فرمایا اے اسماء میری مدد کر اور جن عورتوں نے تم کو نمایندہ بناکر بھیجا ہے ان کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کی رضا جوئی کرنا اور ان کے ساتھ سازگاری رکھنے کے لیے ان کی پیروی کرنا ان ساری باتوں کے برابر ہے جو تم نے مردوں کی بیان کی ہیں۔ اسماء رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد مبارک کو سُن کر خوش خوش خدا کی حمد و تکبیر کرتی ہوئی واپس چلی گئیں۔

ایک دوسری مشہور حدیث ہے :-

المرأۃ راعیۃ علی بیت بعلھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم۔ (ابوداؤد)

عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی ذمہ دار بنائی گئی ہے اور اس سے ان چیزوں کے بارہ میں پرسش ہوگی۔

لونڈر میں بسی ہوئی، سرخی پوڈر سے لپی ہوئی، شوخی و نزاکت سے بھری ہوئی بیوی کے مقابل میں اس ملگجی بیوی کا درجہ و مرتبہ ملاحظہ ہو جو گھر کے کام کاج، شوہر کی خدمت میں رات دن مصروف رہنے والی ہے اور جس کے چہرے بشرے سے محنت کی تکان بھی نمایاں ہے اور باورچی خانے کے دھوئیں کا ملگجا پن بھی ظاہر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا وامرأۃ سفعاء الخدین کھاتین یوم القیامۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور ملگجے گالوں والی عورت قیامت کے دن (راوی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے شہادت کی انگلی اور بیچلی انگلی کو برابر کرتے ہوئے فرمایا) اس طرح ہوں گے۔

آئیڈیل بیوی

اسلامی نقطۂ نظر سے ایک آئیڈیل بیوی کے اوصاف نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں حضورؐ نے یہ بیان فرمائے ہیں:۔

الا اخبرک بخیر ما یکنز المرء۔ المرأۃ الصالحۃ اذا نظر الیھا سرتہ واذا امرھا اطاعتہ واذا غاب عنھا حفظتہ۔ (ابوداؤد)

میں بتاؤں تمہیں آدمی کا بہترین خزانہ کیا ہے؟ نیک بیوی، جب اس کو دیکھے تو وہ خوش کر دے، جب کسی بات کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور جب وہ کہیں باہر جائے تو اس کے (گھر اور بچوں اور ناموس) ہر چیز کی حفاظت کرے۔

مردوں کی ریس کرنے والی عورت

جو عورتیں شکل و روپ میں، وضع و لباس میں، انداز و اطوار میں، مشاغل اور دلچسپیوں میں مردوں کی نقل اڑاتی ہیں، اُن پر حضورؐ نے لعنت فرمائی ہے:۔

لعن المتشابھات من النساء بالرجال (ابوداؤد)

مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال لعن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل (ابوداؤد)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے لعنت کی ہے اس مرد پر جو عورتوں کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا سا لباس اختیار کرے۔

قیل لعائشۃ ان امرأۃ تلبس النعل فقالت لعن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الرجلۃ من النّساء (ابوداؤد)

حضرت عائشہ کے سامنے ذکر آیا کہ ایک عورت ہے جو مردوں کے سے جوتے پہنتی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے زنانِ مذکّر پر لعنت کی ہے۔

ہرجائی عورت

جو عورتیں سوسائٹی میں اپنے آپ کو دھنسانے یا باصطلاحِ جدید (MOVE) کرنے کی دلدادہ ہوتی ہیں ان کا ذکر حضورؐ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے :-

قال اذا استعطرت المرأۃ فمرت علٰی قوم لیجدوا ریحھا فھی کذا وکذا قال قولاً شدیداً (ابوداؤد)

فرمایا جب عورت خوشبو لگا کے دو سرے مردوں کے پاس سے اس لیے گذرے کہ وہ اس کی خوشبو سے محظوظ ہوں تو وہ عورت ایسی ایسی ہے۔ نہایت سخت الفاظ میں اس کے لیے وعید سنائی۔

عن عائشۃ قالت انی سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول ما من امرأۃ تخلع ثیابھا فی غیر بیتھا الا ھتکت ما بینھا وبین اللّٰہ تعالٰی (ابوداؤد)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ اپنے کپڑے اتارے وہ اس پردہ کو چاک کرتی ہے جو اُس کے اور اللّٰہ کے درمیان ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :-

مثل الرافلۃ فی الزینۃ

جو عورت بنی سنوری ہوئی دوسرے مردوں

فی غیر اھلھا کمثل ظلمۃ یوم القیٰمۃ لا نور لھا (ترمذی)

میں ناز و ادا کے ساتھ چل رہی ہے اس کی مثال قیامت کے دن کی تاریکی کی ہے جس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔

فیشن ایبل عورتیں

جو عورتیں مصنوعی حُسن کی دلدادہ ہوتی ہیں اور اس کے لیے جسم سازی اور خود نمائی کے نت نئے طریقے ایجاد کرتی ہیں یہاں تک کہ فطری ساخت بدل دینے کے لیے بھی طرح طرح کے جتن کرتی ہیں جو لباس کو جسم کے چھپانے کے بجائے اس کے محاسن کو نمایاں کرنے کے لیے پہنتی ہیں اور ایسے ایسے فیشن ایجاد کرتی ہیں کہ عورت کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی رہتی ہے ان کا ذکر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان الفاظ میں کیا ہے :۔

عن عبد اللہ قال لعن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ۔

عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مصنوعی بال لگانے والیوں اور لگوانے والیوں اور گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر لعنت کی ہے۔

ایک دوسری روایت ہے :۔

نھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عن عشر عن الوشر والوشم والنتف وعن مکامعۃ المرأۃ المرأۃ .... (ابوداؤد)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دس چیزوں سے منع فرمایا ہے ایک دانتوں کو نکیلا اور چمکدار بنوانے سے، دوسرے گدُنے سے تیسرے حاجب و ابرو کے نوک پلک نکلوانے سے، چوتھے اس بات سے کہ عورت، عورت کے ساتھ ہم آغوش ہو.......

بعض روایات میں اس ضمن میں مُتنمِّصات کا لفظ بھی آیا ہے جس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو نوک پلک درست کرنے کے لیے ابرو کے بال اُکھڑوا دیتی ہیں نیز مُتفلّجات للحسن اور المُغیّرات خلق اللہ کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے مراد وہ عورتیں ہیں جو خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے اپنے دانتوں میں مصنوعی فصل پیدا کرتی ہیں

اور اپنی قدرتی ساخت کی (اپنے زعم کے مطابق) دوسری ناہمواریوں کو درست کراتی ہیں[1]۔

اسی سلسلہ میں یہ حدیث بھی سننے کے قابل ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء کاسیات عاریات ممیلات مائلات رؤسھن کالبخت المائلۃ لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا۔
(مسلم باب النساء، الکاسیات العاریات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورتیں کپڑے پہن کے بھی ننگی ہی رہتی ہیں اور اپنے اعضاء کو لچکاتی ہوئی، اور لچکتی ہوئی چلتی ہیں، جن کی گردنیں بختی اونٹ کی طرح ناز سے ٹیڑھی رہتی ہیں، نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔

عفت کی اہمیت

عفت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر اہمیت دی ہے اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل احادیث سے ہو سکے گا :-

فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامانۃ اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ وان لکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احداً تکرھونہ۔
(ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ اے لوگو! عورتوں کے حقوق کے بارہ میں خدا سے ڈرتے رہو۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کی حیثیت سے پایا اور اللہ کے کلمہ کے ذریعہ سے ان کے جسموں کو اپنے

---

[1] ان حدیثوں میں جن چیزوں کا ذکر آیا ہے یہ عرب جاہلیت کی شوقین (ULTRA — FASHIONED) عورتیں بناؤ (MAKEUP) کے خیال سے کرتی تھیں۔ آپ اس فہرست میں ان چیزوں کا اضافہ کر لیجیے جو جاہلیتِ جدیدہ نے ان مقاصد کے لیے ایجاد کی ہیں۔ ان احادیث میں نفس بناؤ سنگار کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس غیر فطری بناؤ کی ممانعت ہے جس میں عورت قدرت کی صنعت کی اصلاح کے درپے ہوتی ہے اور بگڑی ہوئی چیز کے درست کر لینے کے بجائے قدرت کی بنائی ہوئی چیز کو بگاڑنے کی سعی کرتی ہے۔

لیے جائز بنایا ہے اور تمہارا اُن کے اوپر یہ حق ہے کہ کسی غیر مطلوب سے تمہارے بستر کو پامال نہ کرائیں۔

زنا العینین النظر و زنا اللسان المنطق، والنفس تمنی و تشتهی والفرج یصدق ذلک و یکذبہ آنکھوں کا زنا بدنگاہی اور زبان کا زنا، گفتگو ہے۔ نفس ہاتھ پاؤں پھیلاتا ہے اور شرم گاہ اسکی تصدیق و تکذیب کرتی ہے۔

اِن احادیث پر ایک نظر ڈال کر اندازہ فرمائیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے کیا اخلاق اور کیا خصائل پسند فرمائے ہیں اور کن اخلاق اور کن خصائل کو ناپسند فرمایا ہے اور پھر ان کو سامنے رکھ کر ان اخلاقی تصوّرات کا جائزہ لیجیے جن کو آج ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے اندر مقبول بنانے کی کوشش کی جارہی ہے اور دونوں کا موازنہ کرکے دیکھیے کہ ہے ان دونوں میں کوئی دُور، قریب کی نسبت؟ کھینچ تان کرنے کی جتنی گنجائش بھی ممکن ہو آپ کو آزادی حاصل ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیے اور "وقت کے تقاضوں" کی جو اصطلاح آپ نے ایجاد فرمائی ہے اس کا حق بھی آپ جس قدر رکھنا چاہتے ہیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ فیّاضی کے ساتھ محفوظ کر لیجیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ آپ کے اخلاقی تصوّرات کے سانچہ میں اور اس قرآنی و نبوی سانچہ میں کوئی مناسبت بھی ہے؟ "وقت کے تقاضوں" سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے لیکن وقت کے تقاضوں کی خاطر جاہلیت کو اسلام اور کفر کو ایمان کی جگہ تو نہیں دی جاسکتی۔ اگر کسی کو "وقت کے تقاضوں" کے پیچھے اس طرح بگ ٹٹ بھاگنا ہے کہ اسے کفر و اسلام سے کوئی بحث ہی نہیں رہی ہے تو وہ جائے جس گڑھے میں چاہے گر جائے لیکن پھر اُسے اسلام اسلام پکارتے رہنے کا کیا حق ہے؟ اُس سے کس نے کہا ہے کہ وہ اس کے ساتھ قرار دادِ مقاصد بھی پاس کرے اور جگہ جگہ مسلمانوں سے کہتا پھرے کہ ہم تو اسلام کو اس کی اصل شکل اور اسپرٹ میں از سرِ نو قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اگر وقت کے تقاضوں نے اسے بتا دیا ہے کہ پسندیدہ سانچہ ہالی وُڈ کا سانچہ ہے تو وہ شوق سے اس سانچہ میں ڈھل جائے لیکن پھر یہ کیا بوالفضولی ہے کہ جگہ جگہ میلاد کی مجلسوں میں وہ وعظ کرتا پھرے کہ "دُنیا کی مشکلات کا حل اگر ہے تو پیغمبر کی تعلیم میں ہے۔"

حکومت میں عورتوں کی مساویانہ حصّہ داری کے عقلی دلائل اور اُن پر تبصرہ

آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں نے اپنی حمایت میں مذہب کو استعمال کرنے کی جو کوشش کی ہے، پچھلے صفحات میں اس کی اصل حقیقت ہم نے بے نقاب کر دی ہے۔ ہماری پوری بحث جو شخص بھی غور سے مطالعہ کرے گا، ہمارے نقطۂ نظر سے متفق ہو یا نہ ہو، لیکن وہ اس امر سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اسلام اِن نئے مصلحین کی "اصلاحات" کی نہ صرف یہ کہ تائید نہیں کرتا بلکہ ان کا شدید ترین مخالف ہے۔ لیکن یہ حضرات عورتوں اور مردوں کی سیاسی مساوات اور انتظامِ ریاست میں عورتوں کی مساویانہ[1] حصّہ داری کی حمایت میں بعض عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں جن سے ہم ابھی تک تعرّض نہیں کر سکے ہیں، اور یہ بحث نا تمام رہ جائے گی اگر ہم اِن عقلی دلائل پر بھی تبصرہ کر کے اُن کی حقیقت بھی اسی طرح واضح نہ کر دیں، جس طرح ہم نے اُن کی مذہبی نمائش کی قلعی کھول دی ہے۔ تاکہ جس طرح یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی ہے کہ ان حضرات کو مذہب سے دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جائے کہ عقل سے

---

[1] یہ اچھی طرح ملحوظِ خاطر رہے کہ ہم انتظامِ ریاست میں عورتوں کی حصّہ داری کے مخالف نہیں ہیں۔ ہم صرف اس حصّہ داری کے مخالف ہیں جو مرد و زن کی مساوات کے مغربی نظریہ پر مبنی ہے۔ آگے چل کر ہم اسلامی نظریۂ مساوات کے تحت عورت کے اجتماعی و سیاسی حقوق کی نوعیت ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ واضح کریں گے۔

بھی ان لوگوں کو کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

اگرچہ ہماری اصل ذمّہ داری صرف انہی دلائل سے تعرّض کرنا ہے جو ہمارے ملک کے اربابِ کار وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم ان لوگوں کے ساتھ فیاضانہ معاملہ کریں گے اور اُن کے اُن سارے دلائل سے تعرّض کریں گے جو مل (MILL) کے زمانہ سے لے کر اب تک انتظامِ ریاست میں عورتوں کی حصّہ داری کی حمایت میں پیش کئے گئے ہیں۔ اگرچہ اس فیاّضی کی وجہ سے بحث کچھ طویل ضرور ہو جائے گی لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ آزادیٔ نسواں کی تحریک کی ابتداء سے لے کر اب تک اس سلسلہ میں عقلی رنگ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب کا سب یکجا سامنے آجائے گا اور سارے دلائل کی حقیقت کھل جائے گی جس کے بعد یہ اندیشہ باقی نہ رہے گا کہ اس ترکش میں کوئی اور تیر بھی ہے جس کو حریف استعمال کر سکے گا۔ اس بحث کو پڑھتے وقت یہ امر ملحوظ رہے کہ اس میں ہم صرف مِل اور اس کے ہم خیالوں کے دلائل کا ضعف بیان کریں گے، اپنے ان عقلی دلائل کی تفصیل نہیں کریں گے جن کی بنا پر ہم عورت کی سیاسی و معاشی سرگرمیوں کے مخالف ہیں۔ ان دلائل کی تفصیل اس کے بعد والی فصل میں آئے گی اور وہ فصل اس فصل ہی کا ایک حصّہ ہے اس لیے بغیر اُس کو پڑھے ہوئے تنہا اس فصل کو پڑھ کر کوئی رائے نہ قائم کیجیے۔

پہلی دلیل

نظامِ ریاست میں عورتوں کی براہِ راست اور مساویانہ حصّہ داری کی پہلی دلیل یہاں سے پیدا کی جاتی ہے کہ جب یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر باشندۂ ملک اس بات کا حقدار ہے کہ اس پر اچھی طرح حکومت کی جائے اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ اس حق سے پُورا پُورا فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہے جب تک انتظامِ ریاست میں باشندگانِ ملک کے لیے نمائندگی کا حق تسلیم نہ کیا جائے تو جس طرح مردان دونوں چیزوں کے حقدار تسلیم کئے گئے ہیں اسی طرح عورتوں کے لیے بھی یہ دونوں حق تسلیم کئے جانے چاہئیں۔ عورتیں بھی مردوں ہی کی طرح حق رکھتی ہیں کہ اُن پر عمدہ طریق سے حکومت کی جائے اور پھر اس حق سے لازمی طور

پر یہ حق بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان کو براہِ راست اور مساویانہ حیثیت سے نظامِ حکومت میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔

اوّل تو اس استدلال میں ایک چیز خواہ مخواہ کو فرض کر لی گئی ہے۔ وہ یہ کہ حکومت میں براہِ راست نمائندگی اچھی حکومت کے لیے ضامن ہے۔ اچھی حکومت اور نمائندگی میں کوئی لزوم تو درکنار سرے سے کسی قسم کا ربط ہی موجود نہیں ہے۔ حکومت کی اچھائی یا برائی ایک علیحدہ چیز ہے اور اس میں نمائندگی ایک علیحدہ شے ہے۔ حکومت کی اچھائی دو باتوں پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ حکومت جن اصولوں پر قائم ہے وہ بجائے خود اچھے ہوں، دوسری یہ کہ اس کا انتظام جن ہاتھوں میں سپرد کیا جائے وہ امن اور عدل کے صحیح اصولوں پر ایمان رکھتے ہوں اور ان پر عمل کرنے کی انہوں نے تربیت پائی ہو۔ اگر یہ دونوں چیزیں موجود نہ ہوں تو پھر ناممکن ہے کہ مجرد نمائندگی کے بل پر اچھی حکومت حاصل کی جا سکے۔ یہ دونوں چیزیں جس حکومت کے اندر موجود ہوں عورتوں کو اس کے اندر نمائندگی حاصل ہو یا نہ ہو لیکن ان کو اچھی حکومت ضرور حاصل ہوگی۔ لیکن اگر یہ دونوں چیزیں موجود نہ ہوں تو عورتیں تو درکنار مردوں کو بھی اچھی حکومت حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ ان کو اس کے اندر سو فیصدی نمائندگی حاصل ہو۔ ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں قدیم یونان کی ان شہری جمہوریتوں کو بھی پیش کرتے ہیں جن میں ملک کا ہر باشندہ انتظامِ ملک میں براہِ راست حصہ لیتا تھا، اور اس زمانہ کی جمہوریتوں کو بھی پیش کرتے ہیں جن میں باشندگانِ ملک کی نمائندہ حکومتیں قائم ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی نظامِ نمائندگی بھی ملک کے باشندوں کے لیے اچھی حکومت مہیا کر سکا؟ آج دنیا میں متعدد حکومتیں ایسی موجود ہیں جن میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی نمائندگی کا حق حاصل ہے، کیا ان حکومتوں نے عورتوں کے لیے فی الواقع اچھی حکومت مہیا کر دی ہے؟ کیا برطانیہ، امریکہ، ٹرکی میں مظلوم مردوں اور مظلوم عورتوں کی وہ ساری قسمیں موجود نہیں ہیں جو ان ممالک میں موجود ہیں جن میں نمائندگی کے یہ وسیع اصول بھی اختیار نہیں کیے گئے ہیں؟ ان کے برعکس حضرت عمرؓ کی حکومت کو لیجیے اس میں امرکیہ اور

برطانیہ کی حکومتوں کی طرح اگرچہ عورتوں کو نمائندگی حاصل نہ تھی تاہم اس حکومت کے اندر عراق کے شہروں میں بسنے والی ایک بیوہ اور صنعاء کے پہاڑوں میں بکریاں چرانے والی ایک لونڈی کی ضروریات کی بھی پوری پوری خبر رکھی جاتی تھی اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر میں زندہ رہ گیا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤں کو کسی کا دست نگر چھوڑ کر نہیں جاؤنگا۔

دوسرے اس استدلال میں کھلا ہوا منطقی ضعف موجود ہے۔ اس کا تجزیہ کر کے دیکھئے تو اس کے دو جزو ہیں۔ ایک یہ کہ ہر باشندۂ ملک کو یہ فطری حق حاصل ہے کہ اس پر عمدہ طریق سے حکومت کی جائے۔ دوسرا یہ کہ اس حق سے متمتع ہونے کے لیے لازماً اس کو انتظامِ مملکت میں براہِ راست حصّہ بھی ملنا چاہیے۔ اس کا پہلا جزو تو بالکل صحیح ہے۔ اس سے کسی شخص کے لیے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کا دوسرا جزو محلِ بحث و نظر ہے۔ اگر عمدہ طریقہ سے حکومت کئے جانے کے لیے انتظامِ حکومت میں براہِ راست حصّہ داری لازمی ہے تو یہ حق بچّوں کو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہونا چاہیئے کیونکہ اچھّی طرح حکومت کئے جانے کے حقدار ہوتے ہیں وہ عورتوں سے کم نہیں بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی حقدار ہیں۔ لیکن ان کے اچھّی حکومت کے حق کو تو بلا کسی بحث و اختلاف کے ہر شخص تسلیم کرتا ہے مگر اس حق کی بنا پر انتظامِ حکومت میں ان کی براہِ راست نمائندگی کے حق کا کوئی بھی مطالبہ نہیں کرتا۔

اس استدلال میں اصلی غلطی یہ ہے کہ ایک شخص کے مستقل اور غیر مشروط حق اور اس کے صفاتی اور مشروط حق میں فرق نہیں کیا گیا ہے۔ ہر باشندۂ ملک کا یہ حق کہ اس پر عدل و انصاف اور رحم و شفقت کے ساتھ حکومت کی جائے اس کا ایک ذاتی اور مستقل حق ہے جو مجرّد اس بات پر قائم ہے کہ وہ مملکت کا ایک شہری ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ عالم ہے یا جاہل، ذہین ہے یا کودن، ضعیف ہے یا طاقتور، مریض ہے یا تندرست، عاقل ہے یا فرزانہ، جوان ہے یا بوڑھا۔ ان ساری چیزوں سے قطع نظر تنہا یہ بات کہ وہ حکومت کا شہری ہے اس کو اس بات کا حقدار بناتی ہے کہ اس پر عمدہ طریق سے حکومت کی جائے۔ یہ حق کسی شرط کے ساتھ مشروط و مقیّد نہیں ہے، اس کے برعکس انتظامِ حکومت

میں نمائندگی کا حق شخصی صلاحیت کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کے لیے تنہا یہ بات کافی نہیں ہے کہ ایک شخص ملک کا باشندہ ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انتظام مملکت کی ذمہ داریوں کو اٹھا بھی سکتا ہو۔ ان دونوں قسم کے حقوق کو خلط ملط کرنا اور ان میں سے ایک کو دوسرے کے لیے بطورِ دلیل استعمال کرنا ایک صریح مغالطہ ہے۔ عورتوں کا یہ حق کہ ان پر عمدہ طریق سے حکومت کی جائے، ایک غیر مشروط حق ہے جو اُن کو بہر حال حاصل ہونا چاہیئے۔ باقی رہا یہ حق کہ اُن کو انتظامِ حکومت میں براہِ راست حصہ ملنا چاہیئے تو یہ صلاحیت کے ساتھ مشروط ہے اور جب تک اس کے لیے ان کی صلاحیت دلائل کے ساتھ نہ ثابت کر دی جائے، اُن کی طرف سے اس حق کا مطالبہ ایک بے دلیل مطالبہ ہے۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جب خاندانی نظام کے اندر عورت کے حقِ ملکیت اور اس کے تصرّف کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور ہر معاملہ میں مردوں کی اجارہ داری کا قدیم اُصُول باقی نہیں رہا اور تجربہ نے اس کا مفید ہونا بھی ثابت کر دیا تو پھر یہی حق عورتوں کے لیے اجتماعی و سیاسی دائرہ کے اندر بھی کیوں نہ تسلیم کیا جائے ؟ یہ کیا ظلم ہے کہ عورتوں سے ٹیکس کے لیے تو مطالبہ کیا جائے لیکن اس کے خرچ سے متعلق ان کی رائے نہ دریافت کی جائے ؟ جب عورت نے اندرونِ خانہ کی ذمہ داریوں کے لیے اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دے دیا تو بیرونِ خانہ کی ذمہ داریوں کے لیے اُسے کیوں نا اہل سمجھا جائے ؟ جو مساوات پرائیویٹ زندگی کے اندر خیر کا باعث ہوئی ہے آخر وہ اجتماعی معاملات میں کیوں مضر ثابت ہو گی ؟

یہ دلیل مِل (MILL) کی شاندار دلیلوں میں سے ہے لیکن غور کیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مِل صاحب ایک صحیح کام کو دلیل بنا کر لوگوں سے ایک غلط کام کے لیے مطالبہ فرما رہے ہیں۔ اگر عورتوں کو خاندان کے نظام میں بالکل بے دست و پا بنا کے رکھ چھوڑا گیا تھا تو یہ ایک غلطی تھی اور اگر اس غلطی کی اصلاح کر دی گئی اور عورتوں کو خاندان کے اندر ان کے جائز حقوق و اختیارات سونپ دیئے گئے تو یہ ایک نہایت منصفانہ اور عادلانہ بات ہوئی۔ لیکن اس چیز کو دلیل بنا کر یہ مطالبہ کرنا کہ جس طرح گھر کا انتظام تم

نے عورت کو سونپ دیا اسی طرح سلطنت کا انتظام بھی عورت کو سونپ دو بالکل مہمل بات ہے۔ گھر کا انتظام اگر عورت کے سپرد کر دیا گیا تو یہ تو "حق بحقدار رسید" کا معاملہ ہوا اور عقل اور فطرت کی شہادت اس کارروائی کی صحت کی تصدیق کرتی ہے لیکن اس سے یہ بات کہاں سے ثابت ہوتی ہے کہ انتظامِ سلطنت میں عورت کو حصہ دار بنا دینا بھی صحیح ہے؟ یہ بات کہ عورت نے گھر کے انتظام کو اچھی طرح سنبھال لیا ہے اس لیے وہ سلطنت کی ذمہ داریوں کو بھی اچھی طرح سنبھال لے گی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی۔ اگر ایک شخص اچھا معلّم یا اچھا ڈاکٹر ہو سکتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایک اچھا سپہ سالار اور ایک مُدبّر حکمران بھی ہو سکتا ہے۔ گھر کے انتظام اور سلطنت کے انتظام کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق نہ سہی، تاہم غلط ضرور ہے اور یہ بات بھی بالکل خلاف واقعہ ہے کہ پرائیویٹ زندگی کے اندر عورت اور مرد کی مساوات مفید ثابت ہوئی ہے اس لیے اجتماعی زندگی کے اندر بھی یہ مفید ہو سکتی ہے۔ کل کے زمانہ تک پرائیویٹ زندگی کے اندر عورت اور مرد کی مساوات نہ تو صحیح معنوں میں وجود میں آئی تھی اور نہ لوگ اس کے اصل نتائج کا کچھ اندازہ کر پائے تھے لیکن اب تو ہر شخص پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ یورپ و امریکہ میں اس "مساوات" نے خاندان کے نظام کو تہ و بالا کر دیا ہے اور انگلستان و امریکہ کے اہلِ نظر، جیسا کہ ہم آگے چل کر دکھائیں گے اس اس کے ہولناک نتائج سے نہایت پریشان ہیں۔ بلکہ وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر خاندان کے نظام کو جلد انتشار سے نہ بچایا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ سلطنت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

عورت کا ٹیکس دینا بھی اس کے لیے انتظامِ سلطنت میں حصہ دار ہونے کا حق نہیں پیدا کرتا۔ ٹیکس تو درحقیقت معاوضہ ہے اس حفاظت اور حقِ ملکیت کا جو سلطنت کے ذریعہ سے ایک شہری کو حاصل ہوتا ہے۔ جس کو سلطنت کی بدولت جان و مال کی حفاظت، اور ملکیت کے حقوق حاصل ہوئے ہیں۔ اس کا فرض ہے کہ وہ سلطنت کو ٹیکس ادا کرے۔ ٹیکس سلطنت میں حصہ داری کی کوئی قیمت نہیں ہے کہ جو یہ قیمت ادا کر دے اس کے لیے انتظامِ سلطنت میں جگہ مخصوص ہو جائے۔ انتظامِ سلطنت میں حصہ داری کے لیے دوسری

چیزیں مطلوب ہیں جن میں سب سے مقدم اس کے لیے صلاحیت ہے

تیسری دلیل

ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ بہت سی قومیں جو عورت کے لیے کسی قسم کا بھی سیاسی حق تسلیم نہیں کرتی ہیں بسا اوقات سلطنت کا حکمران ایک عورت کو بنا دیتی ہیں۔ پھر جب عورت کے لیے سلطنت کا مقتدرِ اعلیٰ کے منصب پر متمکن ہونا جائز سمجھا جاتا ہے تو عام شہری کی حیثیت سے انتظامِ ملک میں اس کی شرکت کو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

یہ دلیل اوّل تو تمام قوموں پر حجت نہیں ہو سکتی، کیونکہ بہت سی قومیں عورت کی حکمرانی کو اصولاً غلط قرار دیتی ہیں۔ ثانیاً یہ دلیل بنائے باطل علی الباطل کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ چونکہ بعض قوموں نے اپنی حماقت سے یا کسی سبب سے فلاں غلطی کا ارتکاب کیا ہے اس لیے ہم سب لوگوں کو مل کر اسی بنیاد پر فلاں غلطی کا ارتکاب کر ڈالنا چاہیے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تاریخ میں عورتوں کے حکمران ہونے کی جو مثالیں ملتی ہیں وہ تمام تر شخصی اور خاندانی سلطنتوں سے تعلق رکھتی ہیں جن میں سلطنت کسی خاص شخص یا خاندان کی ملکیتِ ذاتی سمجھی جاتی ہے اور تختِ سلطنت کو مورث سے وارث کی طرف منتقل ہونے والی ایک جائداد قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی سلطنتوں کے اندر اگر اولادِ اکبر کے وارث ہونے کا قانون نافذ رہا ہے اور اولادِ اکبر کوئی عورت ہی ہوئی ہے تو وہ حکمران بن گئی ہے، یا یہ ہوا ہے کہ مورث نے کوئی اولادِ نرینہ سرے سے چھوڑی ہی نہیں ہے صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں اس نے وارث چھوڑی ہیں تو ان میں سے کسی صُغریٰ یا کُبریٰ نے تختِ سلطنت سنبھال لیا ہے۔

یہ نظام بجائے خود ازابتدا تا انتہا باطل اور خلافِ عقل ہے۔ نہ سلطنت کسی خاندان یا شخص کی ملکِ ذاتی ہو سکتی ہے، نہ تختِ سلطنت وراثت میں منتقل ہونے والی کوئی شے ہے، نہ سابق حکمران کی اولاد کے وارثِ سلطنت ہونے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود ہے۔ پھر جس نظام کا کوئی جز بھی صحیح نہ ہو اس کو دلیل بنا کر اگر کوئی بات ثابت کی جائے گی تو وہ کس طرح صحیح ہوگی؟ اگر اس دلیل کی بنا پر عورت کی انتظامِ ملک میں حصہ داری

کو ثابت کیا جا سکتا ہے تو اس سے نابالغ بچّوں کے استحقاق حکمرانی و حقِ نمائندگی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ متعدد سلطنتوں میں نابالغ بچّوں کے حکمران بننے کی مثالیں ملتی ہیں پھر جب وہ حکمران بن سکتے ہیں تو عام شہریوں کی حیثیت سے انتظامِ ملک میں حصّہ کیوں نہیں لے سکتے ؟ لیکن نہ تو مِل صاحب اس کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ کوئی اور اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوگا۔

چوتھی دلیل چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر عورتوں کو نمائندگی اور ووٹ کا حق دیا جائے تو چونکہ ہر عورت خاندان کے ساتھ رہتی ہے اس لیے وہ لازماً سرپرستِ خاندان کا ساتھ دے گی۔ بیوی ووٹ میں شوہر کے ساتھ جائے گی اور لڑکی باپ کے ساتھ ۔ اس طرح خاندانوں کے سرپرستوں کی سیاسی اہمیّت میں اضافہ ہوگا اور خاندان کے نظام کو تقویّت حاصل ہوگی اور خاندان چونکہ ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہے اس لیے خاندان کا یہ استحکام خود ریاست کے استحکام کا سبب ہوگا۔

مِل نے اس دلیل سے ان لوگوں کو چپ کرانے کی کوشش کی ہے جو حکومت میں عورتوں کی نمائندگی پر اس لیے اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے خاندان کے نظام میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ لیکن مِل کی یہ دلیل خود اس کے سیاسی نظریات کی کمر توڑ دینے والی ہے۔ اگر مِل کا یہ اندازہ صحیح[1] ہے کہ ہر عورت لازماً ووٹ میں اپنے سرپرست خاندان کے ساتھ جائے گی تو عورتوں کو حکومت میں حقِ نمائندگی دینا ایک بالکل ہی غیر ضروری اور بے معنی بات ہوئی کیونکہ اس صورت میں تو اصل نمائندگی مردوں ہی کی ہوگی صرف اتنا فرق

---

[1] ہماری پارلیمنٹ کے بجٹ سیشن (مارچ ۱۹۵۰ء) میں بیگم شائستہ اکرام اللہ نے مل صاحب کے اس گمان کی تصدیق کردی۔ بیگم صاحبہ نے مرکزی حکومت کے سیکرٹری لوگوں کی تنخواہوں کے لیے پارلیمنٹ میں اس زور سے لڑائی کی کہ دیکھنے والوں نے حیران ہو ہو کر کہنا شروع کر دیا کہ اے کاش! بیگم صاحبہ اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر پارلیمنٹ میں بھیجا ہے، اس سے نصف ہی دلچسپی کا اظہار فرماتیں۔ یاد رہے کہ مسٹر اکرام اللہ یعنی بیگم موصوفہ کے شوہر بھی حکومتِ پاکستان کے ایک محکمہ کے سیکرٹری ہیں۔

ہوا کہ عورتوں نے مل مل کر اپنے مردوں ہی کے ووٹوں میں اضافہ کر دیا اور اگر مِل کے اندازہ کے برعکس صورتِ واقعہ اس سے مختلف نکلے یعنی عورت بھی سیاست میں اپنا اقول لگانے لگ جائے تو اس نمائندگی کے فیض سے ہر گھر سیاسی نظریات کے تصادم کا ایک اُکھاڑا بن جائے گا۔ میاں اگر آمریت کے علم بردار ہوں گے تو بیوی صاحبہ جمہوریت کی دلدادہ بزرگوار اگر لبرلزم کے حامی ہوں تو صاحبزادی صاحبہ کمیونزم کی اور اس انتشارِ فکر کا لازمی نتیجہ صرف یہ نکلے گا کہ گھر گھر نہیں باقی رہے گا بلکہ سیاسی ناچاقیوں کی ایک رزم گاہ بن جائے گا۔ ایسی صورت میں گھر کے نظام کا اوّل تو قائم رہنا ہی مشکل ہے اور اگر کسی نہ کسی طرح اس کی کوئی شکل قائم رکھی بھی گئی تو ارکانِ خاندان میں سے گھر کی زندگی سے دلچسپی کسی کو بھی نہیں ہوگی۔ میاں کسی ہوٹل میں رات گذاریں گے تو بیوی کسی کلب میں اپنی دلچسپیوں کا سامان ڈھونڈیں گی۔ صاحبزادے صاحب کسی کوٹھے پر شب بسر کریں گے اور صاحبزادی کہیں رات گذاریں گی۔ الغرض دونوں صورتوں میں اس کا نتیجہ نہایت مہلک ہوگا یا تو خاندان تباہ ہوگا یا ریاست۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں تباہ ہوں گے چنانچہ انگلستان اور امریکہ میں خاندان تو تباہ ہو ہی چکے ہیں۔ اب وہاں کے اہلِ نظر اپنی حکومتوں کی تباہی کے وقت کے منتظر ہیں اور وہ وقت بھی اب کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔

پانچویں دلیل

پانچویں دلیل یہ ہے کہ عورت کی دراندازی سیاست میں بہر حال ناگزیر ہے۔ آپ اسے نمائندگی دیں یا نہ دیں وہ اپنا اثر حکومت پر ڈال کے رہتی ہے۔ اگر آپ اس کو براہِ راست دخیل ہونے کا موقع نہیں دیں گے تو وہ بالواسطہ دخیل ہوگی اور یہ بالواسطہ مداخلت لازماً غیر ذمہ دارانہ ہوگی۔ پھر کیوں نہ اس کے حق کو باضابطہ ہی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ پورے احساسِ ذمہ داری اور اعتدال کے ساتھ باضابطہ طور پر انتظامِ ملک میں حصہ لے؟

مِل کی یہ دلیل اس کی مضبوط ترین دلیلوں میں سے سمجھی جاتی ہے لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک دلیل کی حیثیت سے اس میں کیا خوبی ہے؟ بحیثیت ایک امرِ واقعہ کے تو ہم مِل کی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جہاں حکومت کا نظم و نسق زن مریدوں اور ہوائے نفس

کے بندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہاں سلطنت کے معاملات میں بالعموم عورتیں بڑی آسانی سے دخیل ہو جایا کرتی ہیں اور حکومت کے بڑے بڑے اہم فیصلے ان کے چشم و ابرو کے اشاروں پر ہونے لگتے ہیں اور بالآخر یہی چیز سلطنت کی تباہی کا باعث بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس سے اس بات کی معقولیت کس طرح ثابت ہوتی ہے کہ عورت کو باضابطہ حکومت میں دخیل بنا دیا جائے؟ ہر شہر میں آئے دن چوریاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کیا محض اس دلیل کی بنا پر کہ یہ چوریاں تو بہر حال ہوں گی ہی، کسی حکومت کے لیے یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ وہ شہریوں کی حفاظت اور چوروں کے استیصال کے بجائے قانوناً ہر گھر کے اندر چوروں کا ایک حصّہ مقرر کر دے تاکہ وہ پورے احساس ذمّہ داری اور اعتدال کے ساتھ قفل توڑیں اور نقب لگائیں؟ اصل سوال یہ ہے کہ عورت کے لیے معاملات ریاست میں دخیل ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ ہل کی مذکورہ بالا دلیل سے اس کے صحیح ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ وہ تو جس بات کو ثابت کر رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ عورت بہر حال معاملاتِ حکومت میں ٹانگ اڑائے گی ہی، اس لیے بہتر ہے کہ باقاعدہ اس کی حصّہ داری تسلیم کر لو تاکہ وہ "ذمّہ داری کے احساس" اور "اعتدال" کے ساتھ ٹانگ اڑائے۔ لیکن کوئی ہمیں یہ بتائے کہ جو مداخلت بجائے خود صحیح نہیں ہے اس کو اگر جائز اور روا تسلیم کر لیا جائے تو اس سے مداخلت کرنے والے میں اعتدال اور ذمّہ داری کا احساس کہاں سے پیدا ہو جائے گا؟ کیا اس بات کی عقلی یا نقلی کوئی وجہ بھی موجود ہے کہ اگر ایک شخص کی ایک چیرہ دستی جائز تسلیم کر لی جائے تو آئندہ وہ اپنی چیرہ دستیوں میں محتاط اور معتدل ہو جائے گا؟ انسان کی نفسیات کی شہادت تو یہ ہے کہ اگر اس کی ایک ناجائز خواہش پوری کر دی جائے تو وہ دوسری کے لیے پاؤں پھیلاتا ہے لیکن ہل صاحب ہمیں یہ منطق پڑھاتے ہیں کہ عورت کی سیاسیات میں مداخلت کو جو جائز نہ سہی، اگر جائز تسلیم کر لیا جائے تو پھر عورت جائز طریق پر مداخلت کرے گی، سبحان اللہ۔

چھٹی دلیل

چھٹی دلیل اشتراکی سکول کی طرف سے بڑے زور و قوت کے ساتھ پیش کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں مساوی پیدا ہوئے ہیں اس لیے دونوں کو انتظامِ ملک میں مساوی طور پر حصّہ دار ہونا چاہیے۔ مرد جو کچھ کر سکتا

ہے عورت بھی وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اس لیے حکومت کی ذمّہ داریوں سے اس کو الگ رکھنا اس کی حق تلفی ہے۔

جہاں تک عورت و مرد کے مساوی پیدا ہونے کا تعلّق ہے اس کا ایک پہلو تو بالکل صحیح ہے کہ جس طریقہ سے مرد دنیا میں آیا ہے اسی طریقہ سے عورت بھی دنیا میں آئی ہے اور جس گوشت پوست سے مرد بنا ہوا ہے اسی گوشت پوست سے عورت بھی بنی ہوئی ہے اور اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی اپنی ہستی اور خلقت کے اعتبار سے حقیر و ذلیل نہیں ہے بلکہ دونوں یکساں قدر و مرتبہ رکھتے ہیں اور نظامِ کائنات میں دونوں کی اہمیّت یکساں ہے۔ لیکن مجرّد پیدائش کی یکسانی سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ دونوں کو انتظامِ ملک کی ذمّہ داریوں میں بھی یکساں حصّہ دار ہونا چاہیئے۔ جو لوگ عورت کی انتظامِ مملکت میں حصّہ داری کے مخالف ہیں ان کی مخالفت کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ ان کے نزدیک عورت اور مرد کی پیدائش الگ الگ طریقوں سے ہوتی ہے یا پیدائش کے اعتبار سے ان میں سے کوئی حقیر اور فروتر ہے اور کوئی بلند و برتر۔ وہ اس کی مخالفت دونوں کی صلاحیتوں، دونوں کے فطری رجحانات اور دونوں کے صنفی میلانات کے اختلاف کی بنا پر کرتے ہیں اور یہ اختلاف ایک حقیقت ہے جس کا انکار مجرّد اتنی بات سے نہیں ہو سکتا کہ دونوں کی پیدائش کے طریقہ میں ظاہری یکسانی موجود ہے۔ طریقِ پیدائش کی ظاہری یکسانی کے باوجود آخر عورت عورت ہے اور مرد مرد دونوں کے جسم کی ساخت الگ الگ ہے۔ دونوں کے مشاغل اور دلچسپیاں الگ الگ ہیں۔ دونوں کا ارتقاء بالکل الگ الگ خطوط پر ہوتا ہے اور معاشرے میں دونوں حصّہ بھی دو مختلف پہلوؤں سے لیتے ہیں۔ جب ایک ہی طرح سے دنیا میں آنے کے باوجود دونوں کے درمیان اتنے ظاہری اور باطنی اختلاف موجود ہیں اور ہم سر کی آنکھوں سے ان اختلافات کو دیکھ رہے ہیں تو مجرّد پیدائش کی یکسانی کی بنا پر یہ دعویٰ کر دینا کہ عورت اور مرد دونوں انتظامِ ملک کی ذمّہ داری میں حصّہ لینے کے یکساں حقدار و سزاوار ہیں کس قدر بعید از عقل بات ہے! رہی یہ بات کہ مرد جو کچھ کر سکتا ہے عورت بھی وہ سب کچھ کر سکتی ہے تو اس کی تردید کی ضرورت نہیں

ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ عورت وہ سب کچھ کرسکتی ہے جو مرد کرسکتا ہے لیکن ہمارے لیے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ مرد بھی وہ سب کچھ کرسکتا ہے جو عورت کرسکتی ہے اگر ہمارے اشتراکی دوستوں کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کر دیا جائے کہ عورت باپ بھی بن سکتی ہے تو ہم خاموش ہوجائیں گے، اس کی تردید کی کوشش نہیں کریں گے۔ لیکن ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ مرد، ماں بھی بن سکتا ہے۔ کیونکہ ہم عورتوں کی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف نہ سہی لیکن مردوں کے نقائص سے تو بہر حال واقف ہیں۔

یہ ہیں وہ عقلی دلائل جو بیل (۱۸۰۶-۷۳ء) کے زمانہ سے لے کر اب تک عورت اور مرد کی سیاسی مساوات کی تائید میں پیش کئے گئے ہیں۔ ہم نے دلائل بھی حتیٰ الامکان صحت اور قوت کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں اور مختصراً ان پر تبصرہ کر کے ان کے ضعف و قوت کو بھی واضح کر دیا ہے۔ ناظرین ان کو دیکھ کر خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ان میں سے کوئی دلیل بھی ایسی ہے جس کو دلیل کا نام دیا جاسکے؟

بعض بے بنیاد دعاوی

اب اس سلسلہ میں ہم چاہتے ہیں کہ بعض بے بنیاد دعاوی کا بھی مختصراً ذکر کر دیں جن کا ہمارے اربابِ کار کی طرف سے اکثر اظہار ہوتا رہتا ہے اور جن کے اندر اگرچہ فی نفسہٖ کوئی جان نہیں ہے لیکن چونکہ وہ اکثر مجلسوں میں لیڈر صاحبان کی زبانوں سے بار بار دہرائے جاتے ہیں اس وجہ سے بہت سے سادہ لوح لوگ ان کو ایک حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں۔

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب تک عورتیں زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے دوش بدوش حصّہ نہیں لیں گی اس وقت تک ملک معاشی اعتبار سے ترقی نہیں کرسکتا۔ اس بات کا ذکر ہمارے وزیر خزانہ ملک غلام محمدؒ صاحب نے کراچی کی بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس میں بھی فرمایا۔ انہوں نے اپنے اس دعوے کی چونکہ کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے اس وجہ سے ہمارے لیے اُن کے نقطۂ نظر کو ٹھیک ٹھیک معیّن کرنا اور اس کی تردید یا تائید کرنا تو مشکل ہے لیکن دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر یہ رائے معاشی نقطۂ نظر سے بھی غلط معلوم ہوتی ہے۔ ملک کی معاشی خوشحالی کے لیے بھی صحیح طریق کار یہ نہیں ہے کہ عورت بھی کارخانوں میں ملوں

میں، کھیتوں میں، دکانوں میں اور دفتروں میں افزائشِ دولت کی مہم میں مردوں کے دوش بدوش حصّہ لے بلکہ معاشی نقطۂ نظر بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ عورت دولت کمانے کے بجائے مرد کی کمائی ہوئی دولت کو سنبھالنے اور اپنے سگھڑ پن سے اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی خدمت انجام دے۔ اگر سب کے سب افزائشِ دولت کی مشین ہی کے پرزے بن جائیں تو یہ تو ممکن ہے (اگرچہ اس کا امکان بھی امکانِ عقلی ہی کی حد تک ہے) کہ دولت کی پیداوار کچھ بڑھ جائے لیکن اس سے اس چیز میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا جس کو خوشحالی کہتے ہیں اور جو افزائشِ دولت کی اصلی غایت ہے۔ جس طرح افزائشِ دولت کی جدّوجہد معاشی ترقّی کے لیے ضروری ہے اسی طرح اس کو سنبھالنا بھی معاشی ترقّی کے لیے ضروری ہے۔ جس طرح کمانے اور پیدا کرنے سے ملک کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح بچانے اور کفایت کے طریقے اختیار کرنے سے بھی ملک کی ثروت میں اضافہ ہوتا ہے، اور جس طرح دولت کا وجود ملک اور اہل ملک کی خوشحالی کے لیے ضروری ہے شاید اسی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی اس کا صحیح استعمال اس خوشحالی کے لیے ناگزیر ہے۔ اس وجہ سے عورت کے لیے معاشی جدّوجُہد میں حصّہ لینے کا صرف ایک ہی راستہ نہیں ہے کہ وہ بھی ملّوں اور کارخانوں میں جا کے بھرتی ہو جائے اور کھیتوں میں جا کر ٹریکٹر چلائے بلکہ اس کا اپنے گھر کے اندر رہ کر گھر کو سگھڑ پن کے ساتھ چلانا بھی ملک کی معاشی خوشحالی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا آنریبل مسٹر غلام محمّد کا فرض شناسی اور دیانت و قابلیّت کے ساتھ وزیرِ مال کے فرائض انجام دینا۔ مثال کے طور پر ایک اس خاندان کو لیجیے جس میں مرد کما کر لا رہا ہے اور عورت گھر میں راحت و آسائش کی فراہمی کا اور بچّوں کو سنبھالنے کا کام کر رہی ہے اور دوسری طرف اس خاندان کو لیجیے جس میں میاں اور بیوی دونوں کمانے کے لیے چلے جاتے ہیں اور گھر میں کوئی بھی نہیں جو راحت و آسائش کا سامان کرے اور بچّوں کو سنبھالے۔ کیا یہ دونوں خاندان خوشحالی میں یکساں ہوں گے؟

نیز اس صورت میں ہمارے لیے بے روزگاری کا مسئلہ پہلے سے دوگنا ہو جائے گا۔ یہاں مرد بے روزگاروں ہی کا مسئلہ مشکل ہو رہا ہے، کُجا کہ عورتیں بھی روزگار مانگنے آ کھڑی ہوں۔

۲۔ بعض لوگ ملکی مدافعت کے نقطۂ نظر سے بھی اس چیز کو بڑی اہمیت دیتے ہیں کہ

عورتیں ہر قسم کے فوجی فرائض انجام دینے میں مردوں کے دوش بدوش شریک ہوں لیکن ہم کو یہ بات بھی بالکل غیر معقول سی معلوم ہوتی ہے۔ حفاظت ذات کے نقطۂ نظر سے عورتوں کو مدافعت کی اس حد تک تربیت تو ضرور دینی چاہیے کہ وہ شخصی و انفرادی چیرہ دستیوں سے اپنی ذات اور اپنے ناموس کو بچا سکیں اور ایسی چھوئی موئی بنی ہوئی نہ رہیں کہ آسانی سے شریروں اور پاجیوں کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت ہو سکے۔ لیکن ملک کی مدافعت نہ عورت کے فرائض میں داخل ہے، نہ وہ کبھی اس کام کو کر سکی ہے اور نہ آئندہ کبھی کر سکے گی جس ملک کے مرد اپنے ملک کی حفاظت سے قاصر رہ جائیں گے۔ اس ملک کی عورتیں اس کی حفاظت نہیں کر سکتیں۔ موجودہ زمانہ کی جنگ اس بات کا تقاضا ضرور کرتی ہے کہ عورتوں کو بھی اسلحہ کے استعمال سے فی الجملہ آشنا کیا جائے لیکن یہ کام مردوں کی فوجی تربیت سے بالکل فارغ ہو جانے کے بعد کا ہے نہ کہ اس سے پہلے کا۔ ہمارا ملک خدا کے فضل سے ایسا ملک ہے جو بہترین فوجی نوجوان پیدا کرتا ہے، بہترین سپاہی مہیا کرتا ہے اور ایک بہترین فوجی نسل کا معدن ہے۔ اگر ہمارے تمام قابلِ جنگ نوجوانوں کی فوجی تربیت ہو جائے تو ہم اپنی ہی حفاظت نہیں بلکہ دوسروں کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس نہ تو مردوں کی تعداد کم ہے اور نہ وہ نکمے ہیں کہ ہم بہنوں اور بیٹیوں پر بوجھ ڈالیں جو صرف ہمارے ہی اٹھانے کا ہے۔ عورتوں سے ملک کی حفاظت کا مطالبہ کرنا یا ان کی حفاظت کا بار خود ان پر ڈال دینا مردانہ ذمہ داریوں سے دست کشی کے مترادف ہے۔ ان سطروں کے لکھنے والے کو تو اس رجحان کے اندر قومی غیرت کا انحطاط نظر آتا ہے۔ یہ چیز اس ملک کے نوجوانوں کی حمیّت کو سرد کر دے گی اور مردوں کے مردانہ جذبات کے نشو و نما کو اس سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ قوم میں لڑنے اور مرنے کا جذبہ تو ناموس کی حفاظت ہی کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ جب ناموس کی حفاظت کا بوجھ خود ناموس ہی پر ڈال دیا گیا تو پھر مرد کے جینے سے کیا حاصل! اس کے بعد تو وہ زندگی کی قدر و قیمت ہی کھو بیٹھے گا۔

ایک اور پہلو سے بھی یہ مسئلہ قابلِ غور ہے، ہمارے حالات ہمارے پڑوسی ملک انڈیا سے کس پہلو سے اتنے مختلف ہیں کہ ہم اپنے ملکی تحفظ کے لیے عورتوں کی مدد کے محتاج ہو گئے ہیں اور وہ

اس کا محتاج نہیں ہوا ہے؟ کیا ہمارے پاس نوجوانوں اور قابلِ جنگ مردوں کی کمی ہے اور اس کے پاس کمی نہیں ہے؟ ابھی پچھلے دنوں ہندوستان کے کمانڈر انچیف جنرل کریاپا نے امرتسر میں ایک تقریر کرتے ہوئے عورتوں کو مخاطب کرکے یہ الفاظ کہے:-

"دیویو! تم گھر کے کام کاج سنبھالو، فوج کے کاموں میں تمہاری ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس اس کے لیے مردوں کی کمی نہیں ہے"

صرف یہی نہیں بلکہ فوج میں عورتوں کی ملازمت سے متعلق حکومتِ ہند نے ایک ہنگامی قانون نافذ کر دیا ہے جس میں عورتوں کو فوج میں ملازمت سے روک دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

("دہلی" ۲۵ جنوری ۱۹۵۰ء ڈی-پی-پی)

گورنر جنرل ہندوستان نے آرمڈ فورسز (مسلینیس پراویژن) آرڈیننس ۱۹۵۰ء کے نام سے ایک ہنگامی قانون جاری کیا ہے۔ اس قانون کے ذریعہ سے فوج میں عورتوں کی ملازمت اور فوجیوں کی ٹریڈ یونینوں میں شرکت پر پابندیاں عاید کی گئی ہیں۔ فوج میں عورتوں کی ملازمت کے بارہ میں اس قانون میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی عورت کو فوج میں نہیں لیا جائے گا اِلّا یہ کہ مرکزی حکومت سرکاری گزٹ کے ذریعہ کسی برانچ یا کور کے لیے بطورِ خاص اجازت دے۔

(سِوَل اینڈ ملٹری گزٹ لاہور- ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء)

علاوہ ازیں ہندوستانی فوج کی بارکوں اور ان کے کھانے کے کمروں میں اب بنی ٹھنی لڑکیوں (PIN - UP GIRLS) کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ ہندوستانی فوج کے سپہ سالار جنرل کریاپا نے خود اپنے دستخطوں کے ساتھ یہ اعلان جاری کیا ہے کہ بنی ٹھنی لڑکیوں کے مظاہروں کی اب اجازت نہیں ہوگی[1]

سوال یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے پڑوسیوں کے رجحان میں اس معاملہ میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ کیا اس لیے کہ ہم عورتوں کے بغیر اپنے ملک کا تحفظ نہیں کر سکتے اور وہ کر سکتے ہیں؟ یا اس لیے کہ ہماری اسلامی حکومت کی فوج عورتوں کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی ہے اور ان کی فوج

[1] "اسلامک لائٹ" کراچی بابت نومبر ۱۹۴۹ء تا جنوری ۱۹۵۰ء

ہو سکتی ہے؟

(۳) بعض حضرات یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اجتماعی اور سیاسی زندگی میں ہم آہنگی اور ساز گاری پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عورت اور مرد دونوں ہر شعبۂ زندگی میں دوش بدوش کام کریں ورنہ ملک کے اندر انتشار رہے گا اور اس انتشار سے دشمن فائدہ اٹھائے گا۔

اب تک تو ہم انتشار اس چیز کو سمجھتے تھے کہ دو مختلف عناصر اپنی قدرتی حد بندیوں اور فطری تقسیمِ عمل کو توڑ کر ایک دوسرے کے حدود میں گھسنے اور باہم گر ایک دوسرے سے ٹکرانے کی کوشش کریں لیکن مذکورہ بالا ارشاد سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ انتشار یہ نہیں ہے بلکہ یہ تو ہم آہنگی اور ساز گاری ہے۔ انتشار یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے حدود میں اپنے فطری فرائض پر قانع رہیں اور ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لیے آستینیں چڑھانے اور خم ٹھونک کر میدانِ مقابلہ میں آنے کے بجائے صرف اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں۔ یہ حالت ان حضرات کے نزدیک ملک کے لیے خطرہ ہے اور دشمن اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ ساز گاری، اور ہم آہنگی پیدا کرنے کا نسخہ ان لوگوں کے نزدیک گویا یہ ہے کہ عورت کو اس کی گھر گرہستی کی موجودہ ذمہ داریوں سے آزاد کر کے اس کا موقع دیا جائے کہ وہ ہر کارخانہ اور ہر کمپنی، ہر شعبہ اور ہر دفتر، ہر کالج اور ہر سکول، ہر ملازمت اور ہر پیشہ میں مرد کا مقابلہ کرے اور مرد صاحب کو مجبور کرے کہ ذرا زچہ خانہ اور باورچی خانہ کی ذمہ داریوں کے مزے وہ بھی چکھ لیں۔ اس کے بعد ان حضرات کے نزدیک اجتماعی زندگی میں ایسی ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی کہ کیا مجال جو کوئی دشمن قیامت تک اس ملک کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھ سکے۔

(۴) بعض کام ایسے ہیں جن کو یورپ کی قوموں نے عورتوں کے لیے کچھ مخصوص سا کر دیا ہے مثلاً ٹائپسٹ کا کام، ٹیلیفون ایکسچینج کا کام یا نرسنگ کا کام وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ ان کاموں کے عورتوں کے لیے مخصوص ہونے کی کوئی عقلی یا نقلی وجہ موجود نہیں ہے لیکن جو حضرات ہر معاملہ کو صرف "صاحب" کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اور خود اپنی فکر و نظر سے کام لینے کی کم صلاحیت رکھتے ہیں ان کے نزدیک ان کاموں کا عورتوں کے لیے مخصوص ہونا ایک ایسا مسلّمہ ہے جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اُن کا دعویٰ یہ

ہے کہ یہ کام عورتوں ہی کے لیے بنے ہیں اور وہی اس کو انجام دے سکتی ہیں اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ حالانکہ یورپ اور امریکہ میں اگر ایسا ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے یہاں اس بات کے لیے کوئی وحی اُتری ہوئی ہے کہ یہ کام عورتوں ہی کے لیے خاص ہیں یا سائینس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ کام بس عورتیں ہی کر سکتی ہیں، مردوں کی صنف اس کی انجام دہی سے قاصر ہے، یا تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ عورتیں ان کاموں کے لیے مردوں سے بہتر ہیں بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جب انہوں نے مساواتِ مرد و زن کے نظریہ کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کو لا داخل کیا تو عورتیں بہت سے کاموں کے لیے اپنی فطری کمزوریوں کی وجہ سے ناموزوں ثابت ہوئیں اس لیے ان ہلکے کاموں کو ان کے لیے خاص کر دیا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنے مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کی وجہ سے انہوں نے یہ چاہا کہ ہر دفتر اور ہر ہسپتال میں مردوں کا جی بہلانے کے لیے عورتوں کا بھی سامان کر دیں۔ ہم نہ تو مساواتِ مرد و زن کے اس نظریہ ہی کو صحیح سمجھتے اور نہ صاحب لوگوں کے اس اخلاقی نقطۂ نظر ہی کے قائل ہیں کہ مردوں کا جی بہلانے کے لیے ہر جگہ عورت کا ہونا ضروری ہے اس وجہ سے کوئی وجہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کو ان کی بیہودہ روش کی تقلید کریں۔

لطف یہ ہے کہ جو حضرات ان کاموں کے لیے عورتوں کو ناگزیر قرار دیتے ہیں وہی یہ بھی بتاتے ہیں کہ مرد ان کاموں کو بہت اچھی طرح کر سکتے ہیں اور انہوں نے ان کو بہت خوبی کے ساتھ انجام دیا بھی ہے۔ مثال کے طور پر نرسنگ کو لیجئے۔ اس کے متعلق ۱۷ر فروری ۱۹۵۰ء کو میو ہسپتال میں، ٹرینڈ نرسز ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے بیگم سلمہ تصدق حسین صاحبہ نے ایک پر زور تقریر فرمائی جس میں انہوں نے ہر پہلو سے اس پیشہ کے لیے لڑکیوں کو راغب کیا اور اس کے لیے انہیں تمام "بوسیدہ بندشوں" کو توڑ کر جھٹک دینے تک کا مشورہ بھی دیا لیکن دورانِ تقریر میں یہ بھی فرما گئیں کہ:-

گذشتہ جنگِ عظیم میں نرسوں کی روز افزوں ضرورت کو پورا کرنے کے لیے

مردوں کی بہت بڑی تعداد بھرتی کی گئی اور یہ اسکیم کامیاب ثابت ہوئی۔
جنگ کے بعد ان مردوں (MALE NURSES) کو رخصت کر دیا گیا۔
فوج میں اب بھی مردوں سے تیمارداری (NURSING) کا کام لیا
جارہا ہے۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۱۸ر فروری ۱۹۵۰ء)

سوال یہ ہے کہ جب مرد اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں اور اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے اور ملک میں ایک بڑی تعداد تربیت یافتہ تیماردار مردوں کی موجود بھی ہے جو غالباً بیکار ہی ہوگی اور ان میں سے ایک کو کام میں لگانے کے معنی ایک پورے کنبہ کی پرورش کے ہیں تو لڑکیوں کو گھروں سے نکلنے، انہیں غیر شادی شدہ زندگی بسر کرنے اور ایسی حالت میں غیر محرموں کی تیمارداری کے کام میں لگانے پر مجبور کرنے کے کیا معنی؟ کیا جو لڑکی خدا اور فطرت سے جنگ کر کے اس راہ میں اپنے آپ کو ڈالے گی محض فلورنس نائٹ انگیل کے مقدس عہد نامہ کے الفاظ اس کی محافظت کر سکیں گے!

معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں عورتوں کے مردوں کے دوش بدوش حصہ لینے کی تائید میں دلیل یا دعویٰ کی صورت میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ یہ ہے جو ہم نے ناظرین کے سامنے رکھ دیا ہے اور ہر دعویٰ اور دلیل کی حقیقت بھی واضح کر دی ہے۔ ناظرین ان دعاوی و دلائل کے ضعف و قوت کا خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بحث ناتمام رہ جائے گی اگر ہم اس کے ساتھ عورت کی سیاسی و معاشی سرگرمیوں کے مضر پہلوؤں کو بھی وضاحت کے ساتھ نہ بیان کر دیں۔ چنانچہ اگلی فصل ہم اسی بحث کے لیے خاص کریں گے۔

عورت کی معاشی
اور
سیاسی مصروفیتوں کے مضر پہلو

سابق فصل میں آپ نے دیکھ لیا کہ جو لوگ عورتوں کو انتظامِ حکومت اور دوسری سرگرمیوں میں مردوں کے برابر کر دینے کے حامی ہیں ان کی کوئی دلیل بھی ایسی نہیں ہے جس کو دلیل کا نام دیا جا سکے۔ لیکن مجرد یہ بات کہ ایک چیز کو دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکا۔ اس کے غلط ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بات کو مدعی دلیل سے ثابت نہ کر سکے لیکن فی نفسہ وہ صحیح ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو اگر ثابت کرنے کی کوشش کیجیے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں ملتی یا کم از کم کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جو مسکت ہو اور مخاطب کو قائل کر سکے لیکن تجربہ سے وہ باتیں صحیح اور مفید ثابت ہوتی ہیں یا کم از کم ان کو غلط اور مضر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس وجہ سے تنہا یہ بات کہ حل اور آزادئ نسواں کے دوسرے علمبرداروں کی کسی دلیل میں کوئی وزن نہیں ہے، عورت کے مقدمہ کو خارج کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے ہم کو اس کے مضر پہلوؤں پر بھی، اگر اس کے کچھ مضر پہلو موجود ہیں، روشنی ڈالنی چاہیے۔ اگر بے دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک چیز کا تمدنی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے مُضر ہونا بھی ثابت ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ فی الواقع وہ چیز غلط ہے اور جو لوگ اس کی وکالت کر رہے ہیں وہ نہ صرف ایک بے دلیل دعویٰ کی وکالت کر رہے ہیں بلکہ وہ ملک کے اندر ایک ایسے رُجحان کو ہوا دے رہے ہیں جو ہمارے نظامِ اجتماعی کو درہم برہم کرنے والا ہے۔

اس پہلو سے ہم نے عورتوں کے مسئلہ پر جس قدر غور کیا ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مساواتِ مرد و زن کے نظریہ کی اساس پر عورت کو انتظامِ حکومت اور معاشی

جھمیلوں میں ڈالنا اپنے اندر مضرت کے گوناگوں پہلو رکھتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس کا مضر اثر خود عورت کی ذات اور اس کی خلقی صفات پر مترتب ہوتا ہے، پھر آگے چل کر خاندان اور معاشرہ اس کی مضرتوں سے نہایت بُری طرح متاثر ہوتے ہیں اور آخر میں خود ریاست اس کے نقصانات کا شکار ہوتی ہے۔ یعنی یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کے مہلک نتائج کی لپیٹ میں فرد، سماج اور سٹیٹ تینوں بیک وقت آتے ہیں۔ جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ یہ ایک غلطی کر گذرنے کے بعد کسی قوم کو اپنی تباہی کے لیے کسی مزید غلطی کے ارتکاب کی ضرورت نہیں ہے۔ تنہا یہی ایک غلطی اس کے سارے نظام کا تیا پانچا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

نقصانات جو خود عورت کو پہنچتے ہیں

عورت کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے معاشی اور سیاسی جھمیلوں میں پڑنے کیلئے نہیں بنایا ہے بلکہ خاندان اور گھر گرہستی کی ذمہ داریوں کے لیے بنایا ہے اس وجہ سے جب وہ اپنی اصل جگہ چھوڑ کر معاش اور سیاست کے جھگڑوں میں پڑتی ہے تو اس کو روحانی اور مادّی دونوں قسم کے گوناگوں نقصانات پہنچتے ہیں جو ناقابلِ تلافی ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کھلے ہوئے نقصانات یہ ہیں:-

(ا) حصُولِ معاش اور سیاست کے میدان میں جب عورت اُترتی ہے تو اس کو ایک ایسے حریف سے (مرد سے) سابقہ پیش آتا ہے جو اس میدان کی بازیاں جیتنے کے لیے اُس پر خلقی اور فطری برتری رکھتا ہے۔ اس میدان میں مرد کی قوتیں اور قابلیتیں ٹھیک اسی طرح اس کے ساتھ سازگاری اور تعاون کرتی ہیں جس طرح ایک مگرمچھ کی فطری صلاحیتیں سمندر کے اندر اس کے ساتھ سازگاری کرتی ہیں۔ اس کے برعکس عورت کی فطری قابلیتیں اس اس میدان میں اس کا ساتھ دینے کے بجائے اُلٹے اس کے حوصلوں سے مزاحمت شروع کر دیتی ہیں جس کے سبب سے وہ اپنے آپ کو بالکل اس پوزیشن میں پاتی ہیں جس پوزیشن میں ایک خشکی کا جانور اپنے آپ کو پانی میں یا پانی کا جانور خشکی میں پاتا ہے اس مقابلہ میں مرد کی یہ برتری اکتسابی (ACQUIRED) نہیں بلکہ خلقی اور فطری

(INHERENT) ہوتی ہے۔ اس وجہ سے عورت انتہائی جدّ وجہد کے باوجود بھی اپنے نقص کی تلافی کی کوئی راہ نہیں پاتی جس کا لازمی نتیجہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنی بے بسی تسلیم کر کے بالآخر مرد کی ایک تابعِ مہمل بن کے رہ جاتی ہے اور اپنی شخصیت مرد کی شخصیت میں بالکل گم کر دیتی یا یہ ہوتا ہے کہ احساسِ کہتری میں مبتلا ہو کر وہ ہر بات میں مرد کی ریس کرنے اور اُس کی نقل اڑانے لگ جاتی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں سے عورت کی کوئی حالت بھی قابلِ رشک نہیں ہے۔ پہلی صورت میں وہ اپنی صلاحیتوں کی طرف سے مستقل مایوسی میں مبتلا ہو جاتی ہے جو اس کی شخصیت کی ترقی کو بالکل ختم کر دینے والی چیز ہے اور دوسری صورت میں وہ خود بھی محسوس کرتی ہے اور دوسرے بھی اس چیز کو محسوس کرتے ہیں کہ اس نے جو جامہ پہن رکھا ہے یہ اس کا اپنا جامہ نہیں ہے بلکہ مستعار جامہ ہے جو مرد سے حاصل کیا گیا ہے۔

(ب) اس مقابلہ میں پڑنے کے بعد عورت اپنے بہت سے اعلیٰ اوصاف کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوتی ہے اور ان کی جگہ پر اپنے اندر دوسرے اوصاف پیدا کرتی ہے جو کسی طرح اس کے اصلی اوصاف کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ وہ دنیا میں جنم دینے والی اور پالنے والی بنا کر بھیجی گئی ہے لیکن اس نئے شوق میں مبتلا ہو کر اسے تباہ کرنے والی اور ہلاک کرنے والی بننا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سنبھالنے والی، نگہداشت کرنے والی اور فیض پہنچانے والی بنایا ہے۔ لیکن اس مقابلہ میں پڑ کر اُسے مطالبہ کرنے سے لے کر ہڑتال اور اسٹرائیک، تخریب اور انقلاب پیدا کرنے کے سارے ہنگاموں میں حصّہ لینا پڑتا ہے۔ قدرت نے اُسے ماتا کا جمال اور زوجیت کی محبوبیت اور سکنیت بخشی ہے لیکن سیاست اور معاش کا روگ جب اسے چمٹ جاتا ہے تو وہ ایک جوڑ توڑ کرنے والی اور بحث و مباحثہ کرنے والی کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتی۔ اس کی مادرانہ شفقت کا تبسّم اس آسمان کے نیچے سب سے زیادہ قیمتی اور حیات بخش دولت ہے لیکن اس میدان میں قدم رکھنے کے بعد وہ مجبور ہوتی ہے کہ اس مادرانہ تبسّم کو مدبّرانہ عبوست اور لیڈرانہ زہر خند سے بدلے۔ بحیثیت ایک بیوی کے اس کی معیت و رفاقت ہمارے نبی کریم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے الفاظ میں اس دُنیا کا

سب سے بڑا خزانہ ہے لیکن اس نئے مشغلہ کے بعد ایک بیوی سے زیادہ وہ اپنے اندر ایک حریف اور مدّمقابل کی خصوصیات جمع کر لیتی ہے۔ ان دونوں مقابل اوصاف کا موازنہ کر کے دیکھئے کہ دوسروں کے نفع و نقصان سے قطع نظر خود عورت اپنی ذات کے نقطۂ نظر سے یہ نفع کا سودا کرتی ہے یا خسارہ کا؟

(ج) ایک عورت اپنے فطری منصب کے لحاظ سے اپنے گھر کی حکمراں ہے، اپنے شوہر کی عزت اور اس کی دولت میں اس کی شریک و سہیم ہے، اس کے تمام ذاتی اختیارات و تصرفات میں اس کا دستِ راست ہے، اولاد کی کمائی اور اُن کی ساری قوت و طاقت کی خزانہ دار ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس کی اس سلطنت میں اس کے اقتدار کو چیلنج کر سکے۔ شوہر کو اگر اس دائرہ کے اندر کوئی مداخلت کا حق ہے بھی تو اس کی حیثیت ایک رسمی اور قانونی حق سے زیادہ نہیں ہے۔ میاں اور بیوی کی سازگاری کی شکل میں کوئی شوہر بھی کبھی معاملاتِ خانگی میں نہ ٹانگ اڑانے کی جرأت کرتا ہے اور نہ وہ اس کا شوقین ہی ہوتا ہے۔ یہ سلطنت ہر عورت کو بلا کسی مطالبہ اور بغیر کسی کشمکش کے حاصل ہوتی ہے۔ اب غور کیجئے کہ عورت اگر اس سلطنت کو چھوڑ کر معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کے لیے باہر نکلتی ہے تو وہ اس کے بدلہ میں کیا حاصل کرتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ کسی کارخانہ یا دفتر کے اندر ایک ملازمت یا حکومت کے اندر ایک کرسی جس کا بڑے سے بڑا فائدہ اگر ہو سکتا ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ عورت کو معاشی خود مختاری حاصل ہو جائے۔ کیا یہ معاشی خود مختاری ایسی چیز ہے جس کے لیے عورت اپنے گھر کی مملکت کو خیرباد کہہ دے؟ اور کیا وہ ایسا کر کے فی الواقع کوئی نفع کا سودا کرتی ہے؟ یہ خوب ملحوظِ خاطر رہے کہ گھر کی مملکت خود اپنی ذمّہ داریاں اور اپنی مصروفیتیں رکھتی ہے اور عورت کو اس کے اندر جو اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ اس لیے حاصل ہوتا ہے کہ وہ ان کے اندر اپنے آپ کو کھپاتی ہے۔ اگر وہ گھر کی ذمّہ داریوں سے دست کش ہو کر کسی دفتر یا کارخانہ میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کر دے تو اس گھر کے اندر اس کا اقتدار محض اس بنیاد پر قائم نہیں رہے گا کہ وہ گھر کے مالک کی بیوی ہے یا گھر کے مالک کی اولاد اس کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہے۔ محض یہ حقیر حیوانی

رابطہ اس روحانی و اخلاقی اور مادّی سلطنت کے قیام کے لیے کافی نہیں ہے جس کو گھر کہتے ہیں۔

(د) سیاست اور معیشت کے میدان میں عورت خواہ کتنی ہی سرمارے اوّل تو اپنی فطری کمزوریوں کی وجہ سے وہ اپنی بہت سی اعلیٰ خصوصیات کو تباہ کرنے کے بعد بھی مرد کے مقابل میں فروتر ہی رہتی ہے۔ ثانیاً اس میدان میں اگر وہ کوئی خدمت انجام دیتی بھی ہے تو مرد کی طرف سے مشکل ہی سے اس کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ بظاہر تو عورت کو بڑے چاؤ اور پیار سے سیاسی اور معاشی سرگرمیوں میں حصّہ لینے کی دعوت دی جاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے تعاون کے بغیر سیاست کے سارے عقدے بھی ناکشودہ ہیں اور معیشت کی ساری راہیں بھی بند ہیں لیکن مرد فی الواقع اس میدان میں نہ عورت کی قابلیت سے متاثّر ہوتا ہے اور نہ اس کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ پارلیمنٹ کے ایوان کے اندر بھی عورت کو ایک مدبّر اور قانون دان کی حیثیت سے دیکھنے اور اس کے تدبّر اور اس کی معاملہ فہمی کی داد دینے کے بجائے اس کے دوپٹہ کی شکنوں اور اُس کی ساڑی کے رنگوں ہی کو دیکھتا ہے اور اگر کوئی داد دیتا ہے تو اسی پہلو سے دیتا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، خود اپنے ہی ملک کی پارلیمنٹ کی روددادیں جو اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں، اگر ملاحظہ سے گذرتی ہوں تو اس کی بہت سی شہادتیں آپ کو مل جائیں گی۔ ایک تازہ شہادت ملاحظہ ہو۔ "ڈان" کراچی کا نامہ نگار پاکستان پارلیمنٹ کے ۱۹۵۰ء کے بجٹ سیشن کا ذکر کرتے ہوئے ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء کے "ڈان" میں اپنے تاثّرات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"بیگم اکرام اللہ اور بیگم شاہنواز نے جو ہمیشہ خوش پوش (WELL-DRESSED) رہتی ہیں کل اپنے لباسوں کے رنگوں کے انتخاب سے بہت متاثّر کیا۔ بیگم اکرام اللہ کے لباس کا ہلکا کریم اور بیگم شاہنواز کے لباس کا ہلکا آسمانی رنگ بھیگے بھیگے موسم (MOIST WEATHER) سے خوب مناسبت رکھتا تھا۔"

سوال یہ ہے کہ اگر نسوانیت کی بہت سی خوبیاں برباد کرنے کے بعد بھی عورت مرد سے اپنی سیاسی برتری تسلیم نہ کرا سکی یا کم از کم اس پہلو سے اپنی اہمیّت اور ضرورت

ہی مرد یہ ثابت نہ کر سکی بلکہ یہاں بھی اگر کچھ کام آئی تو اس کی نسوانیت ہی کام آئی تو اس سیاست کے پاپڑ بیلنے سے عورت کو فائدہ ہوا یا نقصان ؟

اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود یورپ، امریکہ، روس اور مساواتِ مرد و زن کے تمام مدّعی ممالک میں سیاست و معیشت آج بھی صریح طور پر مرد ہی کے انگوٹھے کے نیچے ہے، اور عورت کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں بن سکی ہے کہ وہ ایک ایسی اسسٹنٹ ہے جس کی خدمات اس لیے حاصل نہیں کی گئی ہیں کہ اس کے بغیر کام نہیں چل رہا تھا بلکہ صرف اس لیے کہ یہاں آکر ذرا مرد کا دل بہلائے۔

نقصانات جو خاندان اور معاشرہ کو پہنچتے ہیں

یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ تمام نظامِ اجتماعی و سیاسی کے اندر اصلی مرکزی نقطہ خاندان ہے۔ پہلے خاندان وجود میں آتا ہے۔ پھر خاندان کے مجموعہ سے معاشرہ بنتا ہے اور پھر معاشرہ سے ریاست وجود میں آتی ہے۔ اگر خاندان کا وجود نہ ہوگا تو ریاست وجود میں نہیں آسکتی۔ اگر خاندان کے نظام میں خرابی پیدا ہو جائے تو اس کے اثر سے ریاست کے نظام میں خلل واقع ہو جائے گا اور اگر خاندان کا شیرازہ منتشر ہو جائے تو پوری ریاست کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ خاندان کی اس اہمیت کی وجہ سے نظامِ اجتماعی و سیاسی کے اندر سب سے زیادہ فکر اُسی کے تحفظ کی کی جاتی ہے کیونکہ اُس کی حیثیت جڑ کی ہے اور اُسی کے تحفظ پر پورے نظام کے تحفظ کا انحصار ہے۔

خاندان کی اس اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اب آئیے دیکھیے کہ خاندان کی شیرازہ بندی میں اصلی اہمیت کس کو حاصل ہے، مرد کو یا عورت کو ؟

اگرچہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خاندان کی تشکیل میں مرد اور عورت دونوں ہی حصہ لیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کام میں جو حصہ عورت کا ہے وہ حصہ مرد کا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ سامانِ تعمیر کی فراہمی میں تو بے شک مرد کا حصہ نمایاں ہے لیکن گھر کی اصلی معمار عورت ہی بنتی ہے۔ اسی کی ذات کی کشش ہے جس کی شیرازہ بندی سے گھر، گھر کی شکل اختیار کرتا ہے۔ وہ نہ ہو تو گھر کے ساتھ مرد کی وابستگی آدھی بھی باقی نہ رہے گھر والوں کو دو وقت کی روٹی ملنی بھی دشوار ہو جائے، بچے سڑکوں اور گلیوں میں مارے مارے

بھرنے لگیں اور دیکھتے دیکھتے نوکر اور نوکرانیاں گھر کو ٹھکانے لگا دیں۔ عورت موجود ہے تو سارا چمن آباد ہے اور اگر وہ غائب ہو جائے یا ذرا سی غافل ہی ہو جائے تو تھوڑی دیر بھی نہ گذرے کہ ہر طرف خاک اڑنے لگے۔

گھر کی ظاہری صورت پذیری ہی عورت کی رہین احسان نہیں ہے بلکہ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ گھر کی معنوی اور روحانی صورت گری میں بھی جو حصّہ عورت کا ہے وہ حصّہ مرد کا نہیں ہے۔ اس کے رحم کی طہارت سے خاندان میں نجابت و شرافت کا جوہر پیدا ہوتا ہے، اس کی مامتا کا جمال گھر کو رحم و محبت کی نورانیت سے منوّر کرتا ہے، رفیقِ زندگی کی حیثیت سے اسی کی وفاداریاں اور جاں نثاریاں ہیں جو خاندان میں وفاداریوں اور جاں نثاریوں کی روایات چھوڑتی ہیں۔ اسی کے صبر و وفا سے بچے صبر و وفا کا سبق سیکھتے ہیں۔ اسی کی قربانیوں سے اولاد کو ایثار کا درس ملتا ہے۔ اس کی آنکھوں کی ایک گردش میں جو معانی مضمر ہوتے ہیں وہ ہزار ہا اوراق میں نہیں سما سکتے اور وہ اپنی پُر محبت جھڑکیوں سے جو کچھ سکھا دیتی ہے، ہزار ہا معلموں کی محنت سے بھی وہ چیز نہیں سکھائی جا سکتی۔

یہ ساری برکتیں خاندان کو صرف عورت کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ اگر عورت کو اس کی جگہ سے ہٹا کے کسی کارخانہ یا دفتر میں بھیج دیجیے تو خاندان کے اندر اس کے سبب سے جو جگہ خالی ہو گی اس کو آپ کسی اور طرح سے نہیں پُر کر سکتے۔ دفتروں اور کارخانوں کے لیے آپ کو ہر ساخت اور ہر قابلیت کے لاکھوں اور کروڑوں آدمی مل سکیں گے لیکن گھر کے اندر جو جگہ وہ خالی کرے گی اس کو بھرنے کے لیے اس آسمان کے نیچے اُس کے سوا خدا نے کسی اور کو پیدا ہی نہیں کیا ہے۔

ہم کو اس سے انکار نہیں ہے کہ روٹی ہوٹلوں میں بھی کھائی جا سکتی ہے، راتیں کلبوں اور سینما گھروں میں بھی گذاری جا سکتی ہیں۔ خبر گیری و تیمار داری ہسپتال اور نرسنگ ہوم میں بھی مل جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی ممکن ہے کہ انعامات اور تمغوں کا لالچ دلا کر (جیسا کہ روس میں کیا جاتا ہے) عورتوں سے بچے بھی جنوائے جایا کریں اور سرکاری پرورش گاہوں میں کرایہ کی نرسوں اور اتاؤں کے ذریعہ سے ان بچوں کی پرورش بھی کرائی جایا کرے لیکن اس

کو خوب یاد رکھیئے کہ ہوٹل میں جینے اور ہسپتال میں مرنے کی یہ زندگی نہ تو خاندان کی زندگی کا بدل ہو سکتی اور نہ تمغہ اور الاؤنس کی خاطر جنے ہوئے بچوں اور سرکاری پرورش گاہوں میں کرایہ پر اگائی ہوئی اور پرورش پائی ہوئی فصلوں سے کوئی قوم بن سکتی ہے۔ آدمی سازی اور جوتا سازی کے کام میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ آپ جس طرح انعام اور اجرت کے بل پر کارخانوں میں جوتے تیار کرا سکتے ہیں اگر وہی طریقہ آپ نے آدمی سازی کے لیے بھی اختیار کر لیا تو آدمیوں کی شکل کی ایک مخلوق تو ضرور تیار ہو جائے گی۔ لیکن وہ آدمیت کے تمام اوصاف سے یکسر خالی ہو گی۔ جو آدمی باٹا کے جوتوں کی طرح تیار کیئے جائیں گے وہ پاؤں میں پامال کیئے جانے کے لئے تو اچھے رہیں گے لیکن زمین کی خلافت میں ان کا کوئی حصّہ ہو، یہ ناممکن ہے۔

جو بچے اس طرح دنیا میں آئیں گے کہ وہ اپنے باپ کو بھی متعین طور پر شناخت نہ کر سکیں وہ نجابت و شرافت کا جوہر کہاں سے لائیں گے؟ جو ماں کی مامتا اور اس کی شفقت سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئے ہوں۔ ان کے اندر رحم و شفقت کے جذبات کس طرح نشو و نما پائیں گے؟ جو حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی طرح ایک ماں باپ کی آغوش میں پالے ہی نہ گئے ہوں وہ خونی اخوّت و حمیّت کے رمز سے کہاں سے آشنا ہوں گے؟ جنھوں نے ایک خاندان کے اندر رہ کر ایک وفادار اور جاں نثار ماں اور ایک وفادار اور شفیق باپ کی زندگی دیکھی ہی نہ ہو وہ وفاداری اور جاں نثاری کے مفہوم سے کس طرح واقف ہوں گے؟ جنھوں نے ماں اور باپ کے ایثار کے مزے سرے سے اٹھائے ہی نہ ہوں وہ دوسروں کے لیے کس طرح ایثار کر سکیں گے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ خاندان کے نظام کو منتشر کر دینے کے بعد ان اوصاف کی پرورش کے لیے آپ کوئی اور طریقہ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یاد رکھیے کہ یہ محال ہے اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان جذبات و عواطف کے بغیر بھی اس کا یہ کارخانہ چل سکتا ہے، تو یہ محال تر ہے۔ آج دنیا میں جو خرابیاں پھوٹ پڑی ہیں اس کا اصلی سبب بھی یہی ہے کہ انسان ان اوصاف سے خالی ہو رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ ان اوصاف سے بالکل ہی خالی ہو گیا تب تو اس دنیا کا ایک گھڑی بھی باقی رہنا ناممکن ہو جائیگا

جو تباہی اس پر صبح کو آنی ہے وہ شام ہی کو آدھمکے گی۔

اگرچہ یہ باتیں بالکل واضح ہیں لیکن بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر خاندان کے ساتھ عورت کی وابستگی اس درجہ ضروری ہے کہ اس کے اس مقام سے ہٹتے ہی سارے نظامِ اجتماعی وسیاسی کے انتشار کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو آخر یورپ وامریکہ اور روس جیسے متمدّن اور ترقّی یافتہ ممالک کے لوگوں نے اس خطرہ کو کیوں نہیں محسوس کیا اور انہوں نے عورت کو گھر کی پابندیوں سے آزاد کر کے سیاست ومعیشت کی تمام سرگرمیوں میں کس طرح مرد کے برابر لا کھڑا کیا اور اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کے باوجود ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان ملکوں میں نہ صرف یہ کہ کوئی انتشار نہیں پیدا ہو رہا ہے بلکہ یہ برابر ترقّی کر رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے مَیں یہاں روس اور امریکہ میں خاندان کے نظام کا جو حال ہے اور اس کے سبب سے وہاں کے اہلِ نظر جو کچھ محسوس کر رہے ہیں اس کو پیش کر دوں گا تاکہ لوگوں کو اندازہ ہو سکے کہ یہاں سے بیٹھے ہوئے ہم اُن کی حالت کو جس درجہ قابلِ رشک پا رہے ہیں اور اُن کی تقلید کے لیے بیقرار ہیں وہ خود اپنی حالت کو اس قدر قابلِ رشک نہیں پا رہے ہیں بلکہ اپنے خاندانی نظام کے انتشار کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو سخت خطرہ میں گھرا ہوا محسوس کر رہے ہیں

روس کے تجربات

پہلے سوویٹ روس کو لیجیے اور یہ دیکھیے کہ بیس سال کے اندر اندر انہوں نے اپنے خاندان کے نظام پر کیا کیا تجربے کیے، ان تجربات کے کیا نتیجے ان کے سامنے آئے اور اب وہ کس مقام پر ہیں؟

اشتراکی فلسفہ کی رُو سے انسانی زندگی میں جس چیز کو اصل اہمیت حاصل ہے وہ معیشت کا نظام ہے۔ معاشی نظام ہی ہے جو ان کے نزدیک مذہب، اخلاق، قانون اور تہذیب وتمدّن کو جنم دیتا ہے اور سوسائٹی کی ترکیب اور اس کی شکل وصورت متعیّن کرتا ہے۔ چنانچہ اشتراکی منشور میں یہ قرار دیا گیا کہ بورژوائی نظامِ خاندان بھی سرمایہ اور شخصی مفاد کی پیداوار ہے اس لیے اشتراکی نظام جس طرح سرمایہ کو ختم کر دے گا اسی طرح اس بورژوائی نظامِ خاندان کو بھی ختم کر دے گا۔ اینجلز نے اپنی کتاب "خاندان کا

کا آغاز" میں لکھا ہے کہ خاندان درحقیقت اس اقتصادی نظام کا نتیجہ ہے جو ملکیت ذاتی کے نظریہ پر قائم ہے اور جو ایک نسل کو دوسری نسل سے وراثت پانے کا حق دیتا ہے، جس میں شوہر بیوی پر اس لیے محکم جاتا ہے کہ وہ تنخواہ وصول کر کے لاتا ہے۔ اینجلز نے اپنے اس نظریہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر حقِ وراثت اور ملکِ ذاتی کو اڑا دیا جائے اور عورت کو معاشی حیثیت سے مرد کے برابر کر دیا جائے تو پھر خاندانی نظام اور گھر کو قائم رکھنے کی کوئی اقتصادی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ رہا بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش کا معاملہ تو اس کو اینجلز نے یوں حل کیا کہ عورت اور مرد کے ملاپ سے جو بچے پیدا ہوں، ان کی پرورش اور تربیت کا انتظام ریاست کرے۔ اپنی اس کتاب میں اینجلز نے عورت اور مرد کے درمیان تعلق کا واحد محرک شہوت اور جنسی جذبات کو قرار دیتے ہوئے یہ فلسفہ ایجاد کیا کہ عورت اور مرد کے درمیان وہی تعلق جائز ہے جو شہوت اور جنسی جذبات پر مبنی ہو اور اسی وقت تک جائز ہے جب تک یہ جذبات اس تعلق کے مقتضی ہوں۔ جب یہ جذبات سرد پڑ جائیں یا ان پر کوئی دوسرا جذبہ غالب آجائے تو دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔

اسی فلسفہ پر اشتراکیوں نے روس میں اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی تعمیر شروع کی۔ اس نقطۂ نظر کو جمعیتہ اقوام میں سوویٹ روس کی نمائندہ مادام کولنتائی نے نہایت خوبی کے ساتھ ان الفاظ میں پیش کیا کہ: "محبت ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس ہے جو آدمی پیاس بجھانے کے لیے پیتا ہے، آپ پانی پی لیتے ہیں، گلاس کو بھول جاتے ہیں، اسی طرح (عورت و مرد کے باہمی ملاپ سے) آپ لطف اٹھا لیتے ہیں اور جس سے لطف اٹھاتے ہیں اس کو بھول جاتے ہیں۔"

اس نظریہ پر معاشرے کی تشکیل کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر اشتراکی روس کے قوانینِ ازدواج ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۷ء میں دو باتیں بالکل واضح طور پر طے کر دی گئیں۔ ایک یہ کہ تمام بچے ریاست کی ملک ہوں گے۔

دوسری یہ کہ مذہب کے تحت باندھے ہوئے تمام نکاح ناجائز قرار دیے جاتے ہیں۔ ان کو ختم کرنے کے لیے ایک فریق کا دوسرے کو اپنے ارادہ سے محض ایک کارڈ کے

ذریعہ سے اطلاع کر دینا کافی ہوگا۔

خاندانی نظام اور گھر بنا کر رہنے کے خلاف جذبات کو یہاں تک مشتعل کیا گیا کہ اشتراکی پارٹی کی تیرھویں کانگریس نے گھر (FAMILY) کو سابق نظام سرمایہ داری کے ہتھکنڈوں کا مرکز اور اس کی کمینہ حرکات کی آخری کمین گاہ قرار دیا۔

گھر کو تباہ کرنے کے لیے اشتراکی انقلاب کی ابتداء کے ساتھ ہی حسب ذیل طریقے اختیار کئے گئے :۔

(۱) ۱۷ اور ۳۲ سال کے درمیان کی تمام عورتیں ریاست کی ملک قرار دے دی گئیں اور ان پر سے ان کے شوہروں کے حقوق ساقط کر دیئے گئے۔

(۲) بچوں میں یہ رجحانات پیدا کئے گئے کہ وہ اپنے والدین کے خلاف حکومت میں جاسوسی کریں۔

(۳) پہلے ہر مرد اور عورت پر یہ لازم کیا گیا کہ جو کام اس کو دیا جائے وہ بہر حال اس کو کرنا ہوگا۔ پھر یہ کیا جانے لگا کہ شوہر کو اگر ایک شہر میں کام دیا جاتا تو بیوی کو کسی دوسرے شہر میں کام پر لگایا جاتا۔

(۴) اس صورتِ حال سے جب بعض شوہروں اور بیویوں کی مشکلات محسوس ہوئیں تو لیبر بورڈ نے ان مشکلات کا یہ حل نکالا کہ میاں اور بیوی دونوں کو یہ اختیار دے دیا کہ اپنی اپنی جگہ پر جس کو چاہیں میاں اور بیوی بنالیں اور ساتھ ہی جائز اور حرامی بچوں کو تمام حیثیتوں سے برابر کر دیا گیا۔

(۵) عورتوں کی "سہولت" کے لیے ملک میں جگہ جگہ سرکاری اہتمام میں حمل گرانے کے مرکز قائم کر دیئے گئے تاکہ جو عورتیں اپنے جائز یا ناجائز حمل گرانے کی خواہشمند ہوں اُن کو کوئی زحمت نہ پیش آئے۔

ان باتوں کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ ہے کہ چند ہی سالوں میں ملک کا یہ حال ہوگیا کہ لاوارث اور آوارہ بچے باؤلے کتوں کی طرح گلی کوچوں میں پھرنے اور چوری، مار پیٹ اور قتل تک کی وارداتیں کرنے لگے۔ لینن کی بیوی کے اندازہ کے مطابق ایسے بچوں کی تعداد ۷۰ لاکھ تک

پہنچ گئی تھی۔ بچّوں کے جرائم کا مسئلہ اتنا اہم ہوگیا تھا کہ ۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو مرکزی انتظامیہ کمیٹی اور سرکاری محکموں کے اعلیٰ افسروں کی کونسل نے متفقہ طور پر یہ قرار دیا کہ بارہ سال سے زائد عمر کے بچّوں کو پوری، یعنی بالغ آدمیوں کے برابر سزا دی جایا کرے۔

۱۹۳۴ء کے اعداد و شمار کے لحاظ سے صرف ماسکو میں ۵۷،۰۰۰ ولادتوں کے مقابلہ میں ۴۵،۰۰۰ ۱۵ حمل گرائے گئے اور دیہات میں ۲۴۲،۹۷۹ ولادتوں کے مقابلہ میں ۳۲۴،۱۹۴ حمل گرائے گئے۔ گویا شہروں میں پیدا ہونے والے ہر چار بچّوں میں سے تین کو رحمِ مادر ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

طلاقوں کی کثرت کا یہ حال ہوا کہ ۱۹۳۵ء کے پہلے پانچ مہینوں میں رجسٹری شدہ شادیوں کے مقابلہ میں طلاقوں کی تعداد ۳۸ فیصدی زیادہ تھی۔ یعنی جہاں ایک سو شادیاں ہوتیں وہاں ۱۳۸ جوڑے منتشر ہو جاتے۔ مئی ۱۹۳۵ء میں یہ تعداد ۴۴۳ تک پہنچ گئی۔

عورت کی آزادی کے یہ شاندار نتائج جب سامنے آ گئے تو اشتراکیوں کی آنکھیں ذرا کھلیں۔ جس طرح اس سے پہلے لینن کو کچھ مدّت تک فطرت سے لڑنے کے بعد یہ معلوم ہوا تھا کہ ملکِ ذاتی کی کامل نفی کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو بھوکا مار دیا جائے اسی طرح ان ہولناکیوں کو دیکھنے کے بعد اس کے جانشینوں پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ گھر اور خاندان کی بربادی خود قوم اور ریاست کی بربادی ہے۔

چنانچہ اس کے بعد انہوں نے یک لخت پلٹی کھائی، اور یا تو یہ حال تھا کہ رشتہ نکاح اور زن و شوہر کی وفاداری سے زیادہ کوئی چیز لائقِ تمسخر نہ تھی یا دفعتہً یہ حال ہوا کہ مشہور اخبار اذویسٹیا (IZVESTIA) نے اپنی ۴ار جولائی ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں اس بات پر زور دیا کہ :-

> "وقت آگیا ہے کہ ازدواجی زندگی میں خیانت کو قانونی جرم قرار دیا جائے اور لوگوں پر واضح کر دیا جائے کہ تعلقاتِ زن و شو میں بے وفائی اشتراکی اخلاق کی رُو سے سخت معیوب اور قابلِ مواخذہ ہے۔"

اب تک حکومت کے سارے وسائل و ذرائع اپنا سارا زور اسقاطِ حمل، طلاق اور آزادانہ عشقبازی کی تبلیغ و ترویج پر صرف کر رہے تھے اور اب اس سے کہیں زیادہ شدّت کے ساتھ ان چیزوں کی مذمّت کرنے پر زور صرف کرنے لگے۔ والدین کے حقوق اور مرتبہ کو تسلیم کیا جانے لگا۔ بچّوں کی پرورش اور تربیت کی ذمّہ داری پھر والدین پر ڈالی جانے لگی۔ کثرت سے ایسا لٹریچر شائع کیا جانے لگا جس میں طلاق اور اسقاطِ حمل کی خطرناکیوں اور اُن کے گھنونے پن کا اظہار ہوتا۔ شفقتِ پدری محبّتِ مادری کے گُن گائے جانے لگے۔ گھریلو زندگی کے محاسن، اُس کے فوائد اور اُس کی برکتیں دلوں میں بٹھائی جانے لگیں۔ حکومت کی طرف سے یہ احکام جاری کیے گئے کہ جگہ جگہ کانفرنسوں اور جلسوں کے ذریعہ سے گھر اور خاندان کی خوبیاں لوگوں کے ذہن نشین کی جائیں۔ ابھی ۱۵ برس پہلے جو اخبار نویس، جو ادیب اور جو ترقّی پسند مُصنّفین گھر اور خاندانی نظام کی برائیوں اور تباہ کاریوں پر سارا زورِ قلم صرف کر رہے تھے اب وہ اس سے زیادہ زور و قوّت کے ساتھ لوگوں کو یہ سمجھانے اور سکھانے لگے کہ گھر اور خاندان کے نظام کو مضبوط کرنا ابتدائی اشتراکی اخلاق ہے اور جو لوگ طلاق کا ناروا استعمال کریں وہ سزا کے مستحق ہیں۔

محکمۂ انصاف کے سرکاری رسالہ نے عقدِ نکاح کی دوامی حیثیت کی توثیق کرتے ہوئے لکھا کہ شادی کی قدر و اہمیّت اسی صورت میں ہے جبکہ فریقین اس کے ذریعہ زندگی بھر کے ملاپ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ آزادانہ عشقبازی بورژوائی کردار ہے سویٹ باشندوں کو اس سے احتراز واجب ہے

۱۹۳۶ء میں ماہرینِ قوانین و عمرانیات کے کمیشن کے صدر سٹولز (STOLZ) نے مندرجہ ذیل سفارشیں کیں۔

۱۔ نکاح ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ اب تک طلاق بہت سہل چیز رہی ہے ضرورت ہے کہ آئندہ اسے دشوار بنایا جائے۔

۲۔ ایک سوشلسٹ ملک میں اسقاطِ حمل کے جواز کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۳- اشتراکی عورت بلاشبہ مرد کی ہم رتبہ ہے لیکن وہ اس عظیم فرض سے سبکدوش نہیں کی جاسکتی جو قدرت نے اُس پر عائد کیا ہے، یعنی ماں بننے کا فرض۔ اس کی زندگی دُہری اہمیت رکھتی ہے، ایک اُس کی شخصی حیثیت سے دوسری ماں ہونے کی حیثیت سے !!

اس کے بعد رشتۂ نکاح اور خاندان کے نظام کے استحکام کے لیے اشتراکیوں نے جو قوانین نافذ کیے اور جو اصلاحات جاری کیں وہ یہ ہیں :-

۱- پوسٹ کارڈوں کے ذریعہ سے طلاق دینے کا طریقہ منسوخ کر دیا گیا۔

۲- طلاق پر فیس عائد کر دی گئی مثلاً پہلی طلاق پر ۵۰ روبل، دوسری پر ۱۵۰ روبل، تیسری پر ۳۰۰ روبل اور بعض حالات میں اس کی شرح ۲۰۰۰ روبل تک کر دی گئی۔

۳- طلاق کو ایک قابلِ نفرت شے بنانے کے لیے طلاق دینے والے اشخاص کے پاسپورٹوں پر بھی اُن کی اس خصلت اور اُن کے طلاقوں کی تعداد کا اظہار ضروری سمجھا گیا۔

۴- جائز اور حرامی بچوں کے درمیان امتیاز کو بحال کر دیا گیا۔

۵- اِسقاطِ حمل کو قتل کا ہم معنی جرم قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ اُس کا مشورہ دینے والے تک کے لیے دو سال قید کی سزا مقرر کی گئی۔

۶- غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں اور تین سے کم بچوں والے والدین پر ٹیکس عائد کر دیا گیا۔

۷- بچوں کی پیدائش کی ترغیب دینے کے لیے عورت کو زچگی کے دنوں میں رعایتیں اور سہولتیں بہم پہنچانے کا اور بچوں کے لیے وظائف کا طریقہ جاری کیا گیا۔

۸- جن بچوں کو پہلے والدین کے خلاف جاسوسی کرنے پر اُکسایا جاتا تھا، اب اُن کو یہ تعلیم دی جانے لگی کہ بچوں کو اپنے ماں باپ سے محبت اور اُن کی عزت کرنی چاہیے اگرچہ وہ پُرانی وضع کے ہوں اور بچوں کی اشتراکی لیگ سے نفرت بھی کرتے ہوں۔

۹- اسٹالین نے خود بچوں سے میل جول کا اظہار شروع کیا اور اُن کے ساتھ تصویریں

کھنچوائیں۔ اس طرح سے بیس سال کے اندر اندر ہی گھر اور خاندان اور زن و شوہر کے تعلقات سے متعلق اشتراکیوں نے اپنے سارے فلسفہ کو لپیٹ کر رکھ دیا اور تجربہ نے ان پر واضح کر دیا کہ وہ بالکل غلط راہ پر چل پڑے تھے۔ اب وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکولوں، اور کالجوں کو بھی ایک دوسرے سے الگ کرنے اور مخلوط تعلیم کے طریقہ کو ختم کرنے پر بھی زور دے رہے ہیں۔ اُن کا تجربہ یہ ہے کہ ان مشترک اداروں کی وجہ سے عورتوں اور مردوں میں صرف ذہنی انارکی اور اخلاقی آوارگی ہی نہیں پیدا ہو رہی ہے بلکہ ملک کی اجتماعی اور فوجی قوّت پر بھی اس کا بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے۔

یہ سب کچھ اشتراکیوں نے کیا لیکن اب بھی چونکہ اصلی غلطی وہاں جُوں کی تُوں باقی ہے اور عورت کو خاندان کی ذمّہ داریوں سے الگ کر کے کارخانوں اور دفتروں میں لگا رکھا گیا ہے اس وجہ سے ان تمام اصلاحات کے باوجود بھی وہاں عورت سے بچے جنوانے کے لیے اس کو انعام اور تمغہ اور الاؤنس کا لالچ دینا پڑ رہا ہے۔ عام حالات کے اندر جبکہ عورت اور مرد دونوں فطری تقسیم عمل کے مطابق اپنے اپنے دائروں کے اندر زندگی بسر کر رہے ہوں، عورت کے لیے ماں بننے اور مرد کے لیے باپ بننے کی خواہش ایک فطری خواہش ہے۔ جس طرح وہ کھانا کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں اور اپنے ان کاموں پر کسی سے تمغہ اور انعام کے طلبگار نہیں ہوتے، اس طرح وہ ماں اور باپ بننے پر بھی کسی سے تمغہ لینے اور الاؤنس پانے کے خواہش مند نہیں ہوتے۔ مرد اپنی رجولیت کا یہ تقاضا سمجھتا ہے کہ وہ باپ بنے اور اُس کے بغیر وہ اپنے آپ کو ناقص سمجھتا ہے اور عورت اپنی انوثت کا یہ مقتضیٰ سمجھتی ہے کہ وہ ماں بنے اور اس کے بغیر وہ صرف اپنی گود ہی خالی نہیں پاتی بلکہ اس کو اپنی ہستی ہی سرے سے بے معنی اور بے مقصد معلوم ہونے لگتی ہے، لیکن جب عورت کو اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر اس کو دفتروں اور کارخانوں میں زبح دیا جاتا ہے تو بچہ جننا اُس کے لیے پہاڑ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس غرض کے لیے اسٹالین صاحب کو اموموت (MOTHERHOOD) کا تمغہ جاری کرنا پڑتا ہے اور جس طرح میدانِ جنگ میں غیر معمولی بہادری کا کوئی کارنامہ انجام دینے پر بہادر سپاہی کو تمغہ دیا جاتا ہے اسی طرح

سوویٹ روس میں وہ عورت بڑی تیس مار خانم سمجھی جاتی ہے جو بچے جنتی ہے اور اس کارنامے پر اس کو تمغہ دیا جاتا ہے۔

امریکہ میں خاندانی نظام اور معاشرہ کا حال

اب ذرا امریکہ کا حال ملاحظہ ہو کہ وہاں عورت کو خاندان کے نظام سے الگ کر کے معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں مصروف کرنے کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے اور اس کی وجہ سے وہاں کے اہلِ نظر کس طرح بیک وقت خاندان، معاشرہ اور ریاست تینوں کی تباہی کے اندیشوں سے پریشان ہیں۔ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے میں ایک گھر کے بھیدی کی شہادت کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں اس لیئے فلٹن، جے، شین (FULTON J. SHEEN) کی کتاب - COMMUNISM AND CONSCICNCE OF THE WEST سے خود اُس کے الفاظ میں امریکہ میں خاندان کے حال کا نقشہ پیش کرتا ہوں، وہ لکھتا ہے :۔

"امریکہ کی گھریلو زندگی میں جس قدر ہیجان اس وقت پایا جاتا ہے اس کی مثال اس ملک کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ اپنی قوم (مصنف کا خطاب اپنے اہلِ قوم سے ہے) کے متعلق ہر پہلو سے ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا ہو تو اس کی گھریلو زندگی کو دیکھ لیجئے۔ جو حالت آپ ایک متوسط گھرانے کی پائیں بس وہی حالت پورے امریکہ کی سمجھ لیجیئے۔"

"اگر ایک متوسط گھرانا قرض پر گذر کر رہا ہے، اسراف میں مبتلا ہے، مقروض ہوتا جارہا ہے تو یقین کر لیجیئے کہ امریکہ قومی قرضوں کے نیچے دبتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔ اگر ایک متوسط گھر کے میاں اور بیوی ایک دوسرے سے وفاداری نہیں برت رہے ہیں تو جان لیجیئے کہ امریکہ اٹلانٹک چارٹر اور چار آزادیوں کی پابندی پر اُستوار نہیں رہے گا۔ اگر گھروں کے اندر جان بوجھ کر قصداً بچّوں کی پیدائش کو روکا جارہا ہے تو قوم میں لا محالہ یہ ذہنیت پرورش پائے گی کہ وہ قیمتوں کو برقرار رکھنے کی خاطر فصلوں کو برباد کرے، قہوہ کو سمندر برد کرے اور زندگی کو اس کے فطری نہج پر حرکت کرنے سے روکے۔ اگر گھر کے اندر میاں بیوی خود غرضی سے کام لے رہے ہیں ایک دوسرے

کے مفاد اور احساسات کو نظر انداز کر رہے ہیں اور یہ بھول گئے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی خوشی اور بھلائی کا انحصار دوسرے کی خوشی اور بھلائی پر ہے تو آپ کے ملک میں سرمایہ اور محنت کے درمیان وہ صورت پیدا ہو کر رہے گی جو گھر کے اندر میاں اور بیوی کے درمیان پیدا ہو چکی ہے اور وہ سوسائٹی کو اس کے اجتماعی امن اور اس کی محنتوں کے پھل سے اسی طرح محروم کر دے گی جس طرح میاں اور بیوی نے گھر کو ان سے محروم کر رکھا ہے۔ اگر اپنی گھریلو زندگی میں میاں اور بیوی ایک دوسرے کو غیروں سے آنکھ لڑانے کی گنجائش دے رہے ہیں تو ہماری قوم لازماً ایک ایسی قوم میں تبدیل ہو جائے گی جس کے اندر بیرونی فلسفے اور نظریات آگھسیں اور وہ قوم اور ملک سے لوگوں کی وفاداری کو اس طرح ختم کر دیں جس طرح اشتراکیت ہر ملک میں ان کو ختم کر رہی ہے۔ اگر ایک امریکی گھر کے اندر میاں اور بیوی خدا سے آزاد اور بے نیاز ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں تو پورے امریکہ میں ضرور وہ لوگ برسر اقتدار آئیں گے جو الحاد اور زندقہ کو قومی پالیسی کے طور پر اختیار کرتے پر زور دیں۔ قومی زندگی کے بناؤ اور بگاڑ کا سارا انحصار گھر کی زندگی کے بناؤ اور بگاڑ پر ہے۔ گھر ہی قوم کی زندگی میں فیصلہ کن ادارہ ہے۔ جو کچھ آپ کے گھروں میں ہوگا وہی کچھ آپ کی اسمبلیوں میں ہوگا، وہی کچھ آپ کی کیبنٹ اور سکرٹریٹ میں ہوگا اور وہی کچھ آپ کی عدالتِ عالیہ میں ہوگا۔ جیسی کچھ ہمارے گھروں کے اندر کی زندگی ہوگی بعینہٖ اُسی طرح کی ہماری اجتماعی زندگی ہوگی۔"

"جب ہمارے ملک کے ۳۰ بڑے شہروں میں طلاق کی شرح اس حد کو پہنچ جائے کہ ہر دو شادیوں میں سے ایک کا انجام طلاق ہو، جب قوم کے اندر سال بھر کی کل ۵۰۰، ۸۵، ۲۲ شادیوں میں ۰۰۰، ۶ کا حشر طلاق ہو رہا ہے تو یہ اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ امریکہ کو اندر سے گھن لگ چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس امر کو بھی سامنے رکھئے کہ لوگوں کی کتنی بڑی تعداد کو فوجی خدمت کے لیے ناکارہ قرار دے کر واپس کیا جا رہا ہے۔ زنانہ آگزلیری کور کے لیے امیدوار

لڑکیوں میں سے ایک تہائی کو صرف دماغی اور اعصابی بیماریوں کی بنا پر واپس کیا گیا۔ اسی طرح پندرہ لاکھ مردوں کو بھی انہی اسباب سے واپس کر دینا پڑا قتل کی وارداتیں ۱۹۰۰ء میں ۴ء ۳ فی لاکھ تھیں، ۱۹۴۱ء میں یہ ترقی کر کے ۶ فی لاکھ تک پہنچ گئیں۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ذہنیتیں دشمن اجتماعیت (ANRISOCIAL رجحانات کی راہ پر جا رہی ہیں۔ ۱۹۲۰ء کے بعد شراب کی وجہ سے دماغی امراض میں ۵۰۰ فیصدی اضافہ ہو گیا ہے اور یہ بات اب قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ بہت سی عورتوں کی دماغی اور اعصابی بیماری کا اصل سبب ان ذمہ داریوں کے آ پڑنے کا خوف ہے جو قدرت نے ماں کی حیثیت سے اُن کے سپرد کی ہیں۔ اسی طرح مردوں میں بھی تلوّن کا سبب باپ بننے کی ذمہ داریاں سر آ پڑنے کا خوف ہی ہوتا ہے۔ طلاق رنج و غم ہی کا آخری مظہر ہوتی ہے اور اس سے پہلے فریقین پر ایک مدت تک ذہنی پریشانی اور دماغی عدمِ توازن کی حالت طاری رہتی ہے۔ امریکہ میں ۸۲ فیصدی طلاقیں اُن جوڑوں میں ہوتی ہیں جن کے ہاں کوئی بچہ نہیں پیدا ہوا ہوتا ہے۔ تعلیم اس کا کوئی علاج نہیں ہے کیونکہ کالجوں سے نکلی ہوئی ۴۵ فیصدی اور اسکولوں سے نکلی ہوئی ۲۱ فیصدی عورتیں بچے پیدا کرنے کے ناقابل[1] ثابت ہو رہی ہیں۔"

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کی لڑکیاں یا تو کنواری مائیں بننے کے خوف سے بچے پیدا کرنے کے اعضاء کو ناکارہ کروا لیتی ہیں یا منع حمل اور اسقاطِ حمل کی تیز دوائیں اُن کو ناکارہ بنا دیتی ہیں۔ اس سے اسکولوں اور کالجوں کی اندرونی حالت اور اُن کی تربیت کے نتائج کا اندازہ کیجیے اور پھر اس امر پر غور فرمائیے کہ جب امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں، جہاں منع حمل اور اسقاط کا فن اس قدر ترقی کر چکا ہے، ناکارہ ہو جانے والی لڑکیوں کا یہ اوسط ہے تو جہاں یہ فنِ شریف اس درجہ ترقی یافتہ حالت میں نہیں ہے، جیسے ہمارا ملک، وہاں ناکارہ ہو جانے والی لڑکیوں کا اوسط کیا ہو گا؟

(اصلاحی)

خاندان کی زندگی کے انتشار کی وجہ سے امریکن قوم اور امریکی ریاست کو جو خطرات درپیش ہیں، مصنّف ان خطرات کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :-

"امریکہ اپنی گھریلو زندگی میں جس راہ پر جا رہا ہے اس کو اس نے اگر ترک نہ کیا تو مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے الگ سراسر دنیوی نقطۂ نظر سے بھی وہ نہایت ہولناک نتائج سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اوّلاً یہ کہ امریکن بتدریج ایک غدّاروں کی قوم بنتے چلے جائیں گے۔ جس قوم کے اندر پچاس فیصدی لوگ یہ سمجھنے لگ جائیں کہ وہ جب چاہیں محض اپنی خوشی، اور سہولت کی خاطر نکاح کے مقدّس عہد کو بلا تأمّل توڑ کر پھینک دے سکتے ہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ اس قوم کی زندگی میں وہ ساعت آن پہنچی ہے جب کہ اس کے شہری ملک و ملّت سے وفاداری کے عہد کو کوئی اہمیّت دینا چھوڑ دیں گے۔ جب کسی ملک کے شہریوں کا لگاؤ گھر سے ختم ہو جائے جو دولتِ مشترکہ اور حکومتِ خود اختیاری کا اصلی مرکز ہے تو زیادہ دیر نہیں گذرے گی کہ قوم اور وطن سے بھی ان کا لگاؤ باقی نہیں رہے گا۔ جس ملک میں بیگم الف ہر آن بیگم جیم بننے کے لیے تیار رہیں اس ملک کے باشندوں کو غیروں سے ساز باز کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ جو آج گھر میں غدّاری کے مرتکب ہو رہے ہیں وہ کل قوم کے ساتھ غدّاری کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔

ثانیاً یہ کہ لوگوں کی ذہنیتیں ایسی بنتی چلی جائیں گی کہ پھر کوئی شخص ملک و ملّت کی خاطر ایثار کرنے، ان کے لیے مصائب جھیلنے، ان کے فائدہ کی خاطر مشقّت اٹھانے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ کیونکہ گھر ہی تو وہ جگہ ہے جہاں افرادِ قوم کو ضبطِ نفس کا، اجتماعی مفاد کے پاس و احساس کا اور دوسروں کے ساتھ مل کر اور ان کے واسطے زندگی بسر کرنے کا سبق ملتا ہے۔ گھر ہی وہ درس گاہ ہے جہاں آدمی کو اپنی خوشی کو دوسروں کی خوشی پر، اپنی خواہشوں کو دوسروں کی خواہشوں پر، اپنے آرام کو دوسروں کے آرام پر، حتیٰ کہ اپنی جان کو دوسروں کی جان پر، بغیر کسی بدلہ یا غرض کے اور

بغیر کسی تردّد کے قربان کر دینے کی تربیت ملتی ہے .... اگر گھروں کے اندر یہ ہیرو پیدا کرنے کا انتظام باقی نہ رہے گا تو قوم کے اندر ہیرو کہاں سے آئیں گے؟ جو لوگ اپنے بال بچّوں کے لیے محنت و مشقّت کرنے سے بھاگیں گے، وہ قوم و ملک کی خاطر کیوں اور کس طرح مشقّت کریں گے ...... ایثار و قربانی کی تربیت کے لیے جب گھر کا نظام باقی نہیں رہے گا تو قوم کے اندر سے اس چیز کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔"[1]

ان اقتباسات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت روس اور امریکہ دونوں ملکوں میں خاندان کے نظام کی ابتری کا کیا حال ہے اور اس کے سبب سے اُن کا پورا معاشرتی اور اجتماعی نظام کس طرح سے دوچار ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عورت اور مرد کے فرائض کی قدرتی تقسیم کو توڑ کر خاندان کے نظام کو عورت کی نگرانی سے محروم کر دیا ہے۔ اِن حالات سے ان حضرات کو سبق لینا چاہیے جو کبھی امریکہ کے نظام کو اسلام سے قریب تر پاتے ہیں اور کبھی روس کے نظام کو عین اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو فلٹن جے شین کی کتاب کمیونزم اینڈ دی کانشنس آف دی ویسٹ صد ۱۴۸، ۱۵۱

[2] روس اور امریکہ میں خاندان کے نظام کا حال آپ نے دیکھ لیا۔ اگر ان مسلمان ملکوں کے حالات کا اندازہ کرنے کا شوق ہو جو مغربیت کے راستہ پر جا رہے ہیں تو مصر کا حال ملاحظہ ہو۔ مصری اخبارات نے حال ہی میں ایک غیر ملکی خاتون نامہ نگار کی رپورٹ شائع کی ہے، یہ نامہ نگار رقم طراز ہے کہ "میں حال ہی میں ایک میٹنی شو دیکھنے گئی۔ سینما ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، دفعتہً فلم دکھانا بند کر دیا گیا اور منیجر نے اعلان کیا کہ ایک شخص باہر کھڑا یہ کہہ رہا ہے کہ اس کی بیوی کسی شخص کے ہمراہ سینما دیکھ رہی ہے اور اگر وہ باہر نہ آئی تو وہ گڑبڑ پیدا کرے گا۔ لہٰذا میں پانچ منٹ کے لیے بتیاں بجھا دیتا ہوں اور اس خاتون سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ سینما ہال سے باہر تشریف لے جائے۔ لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب پانچ منٹ کے بعد بتیاں دوبارہ جلائی گئیں تو میرے سوا سینما ہال میں اور کوئی عورت موجود نہ تھی۔" (ا۔پ۔پ) از نوائے وقت لاہور ۲۴ مارچ ۱۹۵۰ء۔

نقصان جو ریاست کو پہنچتا ہے

ریاست کے نظام میں عورت کی براہِ راست شرکت سے خود ریاست کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورت کی فطرت اور سیاست کے مزاج میں فطری نامناسبت ہے۔ عورت کے مزاج میں فعل سے زیادہ انفعال، کسر سے زیادہ انکسار اور تاثیر سے زیادہ تاثّر کا غلبہ ہے۔ وہ زود حِس بھی واقع ہوئی ہے اور شدید التّاثّر بھی، اس وجہ سے واقعات و حالات سے وہ جلد اثر پذیر بھی ہوتی ہے اور اس کا یہ اثر تیز اور شدید بھی ہوتا ہے۔ اس کی یہ فطرت اس کے فطری دائرہ کے اندر، جہاں معاملہ صرف اپنوں سے ہے، اُس کے فرائض کے لحاظ سے نہایت موزوں (اور ضروری بھی) ہے۔ اس کے سبب سے وہ متعلّق افراد یعنی شوہر اور اولاد کے لیے سراپا ایثار و محبت بنی ہوئی رہتی ہے۔ اُن کی ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا وقت سے پہلے احساس کر لیتی ہے اور جب احساس کر لیتی ہے تو اس کے ازالہ کے لیے اس کے اندر ایسی بے چینی اور بیقراری پیدا ہو جاتی ہے کہ جب تک اسے دور نہ کر لے اس کو چین نہیں پڑتا، اگرچہ اس کے لیے اسے سب کچھ قربان کر دینا پڑے۔ لیکن سیاست کے اندر اس کا یہ مزاج نہ تو خود اس کے لیے مناسبِ حال پڑتا ہے اور نہ ریاست کے۔ اوّل تو حکومت کا مزاج انفعال سے زیادہ فعل، انکسار سے زیادہ کسر اور تاثّر سے زیادہ تاثیر کا مقتضی ہے۔ اس کی خصوصیات مردانہ ہیں، وہ اپنا ایک متعیّن ارادہ رکھتی ہے اور اس ارادہ کو فاعلانہ عزم اور آمرانہ زور و قوّت کے ساتھ نافذ کرنا چاہتی ہے۔ ثانیاً اس کے معاملات نہایت پھیلے ہوئے، اپنوں اور بیگانوں ہر ایک سے تعلّق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کے انصرام میں وہی رویّہ زیادہ قرینِ مصلحت و سیاست ہوتا ہے جس میں جذباتی پن سے زیادہ سکونِ مزاج اور سرعت و جلد بازی سے زیادہ عزیمت غالب ہو چنانچہ عورت ہی کی کچھ خصوصیت نہیں ہے وہ مرد بھی ریاست کے لیے ناموزوں ہوتے ہیں جو جذباتی اور ضرورت سے زیادہ حسّاس ہوتے ہیں۔ وہ اگر حکومت کے کاموں میں دخیل ہو جاتے ہیں تو اپنی صحت بھی کھو بیٹھتے ہیں اور بسا اوقات سلطنت کو بھی خطرہ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

انفعالی عناصر (PASSIVE ELEMENTS) کی زیادتی یوں تو کسی ریاست

کے مزاج کے بھی مناسبِ حال نہیں ہے لیکن ایک اسلامی ریاست تو خصوصیت کے ساتھ اس کا تحمل نہیں کر سکتی۔ موجودہ زمانے کی جمہوری حکومتیں، جو عوام کی نمائندہ ہوتی ہیں اور جن کا کام اپنے آپ کو عوام کی پسند کے رنگ میں رنگنا ہے، وہ تو ممکن ہے کہ ایک حد تک اس کو برداشت بھی کرے جائیں لیکن اسلامی حکومت جس کا اصلی مقصد عوام کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کے بجائے لوگوں اور اپنے آپ کو خدا کے رنگ میں رنگنا اور اس کی مرضی پر چلانا ہے اور صرف کسی ایک دائرہ ہی کے اندر نہیں بلکہ خدا کی پوری زمین پر اس کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا ہے وہ تو مشکل ہی سے اس کو برداشت کر سکتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت بھی ہے کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ اہلِ ایران نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ۔ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جنھوں نے اپنی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

فلسفہ سیاست کا مشہور عالم بلنچلی (BLUNTSCHLI) بھی اسی خیال کی تائید کرتا ہے وہ اپنی کتاب "نظریۂ سلطنت" (THE THEORY OF THE STATE) میں لکھتا ہے:

"جن عورتوں نے سیاست میں شہرت پائی ہے انہوں نے عموماً ریاست کو اور اپنے دوستوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان کی ہوشیاری اور ذکاوت نے ایک سازش کی شکل اختیار کر لی ہے اور جب ایک مرتبہ سیاسی نفرت، انتقام اور طمع کے جذبات عورت کے سینہ میں بھڑک اٹھے ہیں تو وہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئے ہیں۔ یہ بات صرف بادشاہوں کی آشناؤں ہی کی حد تک صحیح نہیں ہے بلکہ بہت سی بیویوں اور ماؤں کے متعلق بھی صحیح ہے جو تاریخ میں مشہور ہوئی ہیں۔ روم کی تاریخ، انقلابِ فرانس کی سرگزشت اور شاہانِ فرانس کے درباروں کے حالات سب سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے" ص۱۹۳

پچھلی جنگ کے موقع پر فرانس کے لیڈروں نے بھی اس امر کا اقرار کیا کہ ان کی شکست میں سب سے زیادہ ہاتھ ان عورتوں کا ہے جو سیاست میں دخیل تھیں۔ اسلامی تاریخ کی شہادت اس بارہ میں جو کچھ ہے اس کو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

تصانیف امام حمید الدین فراہیؒ

- مجموعہ تفاسیر فراہیؒ — ہدیہ -/۲۴ روپے
- اقسام القرآن — اردو ترجمہ الامعان فی اقسام القرآن — ہدیہ ۳/۷۵ "
- ذبیح کون ہے؟ — اردو ترجمہ القول الصحیح فی من ہو الذبیح — ہدیہ ۴/۵۰ "

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

- سلسلۂ تدبّر قرآن:
  - مبادیٔ تدبّر قرآن: تدبر قرآن کے اصول و قواعد پر اہم دستاویز — ہدیہ -/۸ روپے
  - مقدمہ تدبّر قرآن و تفاسیر آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ — ہدیہ -/۳ "
  - تدبّر قرآن جلد اوّل — مشتمل بر مقدمہ و تفسیر از ابتدا تا سورۂ آل عمران — " -/۵۰ "
  - تدبّر قرآن جلد دوم — مشتمل بر تفسیر سورۂ نساء تا سورۂ اعراف — " -/۵۰ "
  - تدبّر قرآن جلد سوم — مشتمل بر تفسیر سورۂ انفال تا سورۂ بنی اسرائیل — ہدیہ -/۵۰ "
  - تدبّر قرآن جلد چہارم — مشتمل بر تفسیر سورۂ کہف تا سورۂ قصص — -/۵۰ "
- حقیقتِ دین — مشتمل بر حقیقت شرک، حقیقت توحید، حقیقت تقویٰ، حقیقت نماز — ہدیہ -/۱۶ "
- دعوت دین اور اس کا طریق کار — ہدیہ -/۱۰ "
- اقامت دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار — ہدیہ ۱/۲۵ "
- قرآن اور پردہ — ہدیہ -/۱ "
- اسلامی قانون کی تدوین — " /۵ "

تصنیف ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

- اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدّعا اور طریق کار — قسم اعلیٰ ۱/۵۰، ادنی ۱/-

تصانیف ڈاکٹر اسرار احمد

- تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ — ۶/- روپے
- اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام — ۱/- ״
- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق — ۲/- ״
- ״ ״ ״ ״ انگریزی — ۳/- ״
- ״ ״ ״ ״ (عربی) — ۴/- ״
- عظمت صوم — ۷۵/- ״
- علامہ اقبال اور ہم — ۱/۵۰ ״
- راہ نجات: سورہ والعصر کی روشنی میں — قسم اعلیٰ ۲/-، ادنی ۱/- ״
- قرآن اور امن عالم — ۰/۷۵ ״
- دعوت الی اللہ — ۱/- ״
- آیت الکرسی: ایک نشری تقریر — ۰/۳۰ ״
- دعوتِ بندگیٔ رب — (زیر طبع)
- فریضۂ شہادت حق — ״
- مسلمانوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق — ״
- اسلام اور پاکستان: ایک سیاسی وثقافتی جائزہ — ״

تالیف پروفیسر یوسف سلیم چشتی

- اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش — ۵/- ״

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآن حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدید ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ